تفسیر

نور القرآن

تالیف

پیر طریقت، رہبر شریعت، نائب محدث اعظم، مفسر قرآن، مبلغ اسلام
حضرت علامہ حضور باباجی پیر ابو النصر
منظور احمد شاہ صاحب
دامت برکاتہم العالیہ
بانی و شیخ الحدیث جامعہ فریدیہ ساہیوال

پارہ نمبر 2

www.jamiafaridia.org.pk , 040-4466985, 040-4460985

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب	ــــــــــ	تفسیر نور القرآن (جلد دوم)
مصنف	ــــــــــ	علامہ پیر ابوالنصر منظور احمد شاہ صاحب
کمپوزنگ	ــــــــــ	محمد ندیم فریدی جامعہ فریدیہ ساہیوال
معاون کمپوزنگ	ــــــــــ	محمد رضوان محمود، عطاء المصطفیٰ
پروف ریڈنگ	ــــــــــ	عبدالقدیر فریدی، شوکت علی
طباعت	ــــــــــ	فریدیہ پرنٹنگ پریس لیاقت چوک ساہیوال فون 040-4221485
تاریخ طباعت	ــــــــــ	بار اول (جون 2006ء) بار دوم (ستمبر 2012ء)
تعداد	ــــــــــ	ایک ہزار
ناشر	ــــــــــ	مکتبہ نظامیہ جامعہ فریدیہ ساہیوال

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	سورۃ	آیت	صفحہ
۱	تحویل قبلہ	۲	۱۴۲	۱۷
۲	اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے	۲	۱۴۲	۱۷
۳	اُمت محمدی (ﷺ) کو اُمت وسط کہنے کی وجہ	۲	۱۴۳	۱۹
۴	حضور ﷺ کی اُمت پر گواہی	۲	۱۴۳	۱۹
۵	تحویل قبلہ کی حکمت	۲	۱۴۳	۱۹
۶	اللہ تعالیٰ لوگوں پر مہربان اور رحم فرمانے والا ہے	۲	۱۴۳	۱۹
۷	تحویل قبلہ اور رضائے مصطفیٰ ﷺ	۲	۱۴۴	۲۳
۸	اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے غافل نہیں	۲	۱۴۴	۲۳
۹	اہل کتاب کی خواہشات کی پیروی سے ممانعت	۲	۱۴۵	۲۵
۱۰	نیکیوں میں سبقت لیجانے کا حکم	۲	۱۴۸	۲۸
۱۱	تحویل قبلہ کا حکم تکرار کے ساتھ لانے کی حکمتیں	۲	۱۴۹	۲۸
۱۲	تعلیم و حکمت سکھانے کیلئے رسول بھیجنا	۲	۱۵۱	۳۱
۱۳	ذکر الٰہی کی فضیلت	۲	۱۵۲	۳۱
۱۴	نماز اور صبر سے مدد مانگنے کا حکم	۲	۱۵۳	۳۳
۱۵	شہید کو مردہ کہنے کی ممانعت	۲	۱۵۴	۳۳
۱۶	انسان کی آزمائش	۲	۱۵۵	۳۵

صفحہ نمبر	آیت نمبر	سورۃ	مضامین	نمبر شمار
۳۵	۱۵۵	۲	صابرین کی فضیلت	۱۷
۳۵	۱۵۶	۲	مصیبت کو برداشت کرنیکا طریقہ	۱۸
۳۵	۱۵۷	۲	انعامات الٰہیہ کے حقداران	۱۹
۳۷	۱۵۸	۲	صفاومروہ کی سعی کا حکم	۲۰
۳۷	۱۵۸	۲	حج اور عمرہ کی وضاحت	۲۱
۳۷	۱۵۸	۲	اللہ تعالیٰ جزادینے والا، خوب جاننے والا ہے	۲۲
۳۹	۱۵۹	۲	خدا کی لعنت کے مستحق لوگ	۲۳
۳۹	۱۶۰	۲	اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا، بڑامہربان ہے	۲۴
۴۱	۱۶۱	۲	حق کو چھپانا بدترین جرم ہے	۲۵
۴۱	۱۶۳	۲	اللہ تعالیٰ کے سواکوئی معبود نہیں	۲۶
۴۳	۱۶۴	۲	صاحب عقل کیلئے نشانیاں	۲۷
۴۵	۱۶۵	۲	اللہ تعالیٰ سے محبت	۲۸
۴۵	۱۶۵	۲	اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے	۲۹
۴۶	۱۶۷	۲	اُمراء کے پیروکاروں کا انجام	۳۰
۴۷	۱۶۸	۲	پاکیزہ اور حلال کھانے کا حکم نیز دعائیں قبول نہ ہونے کی وجہ	۳۱
۴۹	۱۷۰	۲	باپ دادا کی اندھی اتباع	۳۲
۵۰	۱۷۱	۲	کفار کے بہرے، گونگے اور اندھے ہونے کا مفہوم	۳۳
۵۳	۱۷۳	۲	کھانے میں حرام کی گئی چیزیں	۳۴

نمبر شمار	مضامین	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
٣٥	اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے	٢	١٧٣	٥٣
٣٦	حق چھپانے والے کا انجام	٢	١٧٤	٥٦
٣٧	کتاب اللہ میں اختلاف کرنا شدید جرم ہے	٢	١٧٦	٥٧
٣٨	نیکی کا اصل مفہوم	٢	١٧٧	٥٨
٣٩	قصاص اور دیت کے مسائل	٢	١٧٨	٦٠
٤٠	وصیت کی فرضیت	٢	١٨٠	٦٢
٤١	وصیت کو تبدیل کرنیوالا گنہگار ہے	٢	١٨١	٦٢
٤٢	اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، بہت جاننے والا ہے	٢	١٨١	٦٢
٤٣	اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے	٢	١٨٢	٦٢
٤٤	روزوں کی فرضیت اور فضائل	٢	١٨٣	٦٤
٤٥	قرآن کا نزول اور اسکی تفصیل	٢	١٨٥	٦٧
٤٦	اللہ کا قرب اور دعا کی قبولیت	٢	١٨٦	٦٩
٤٧	میاں بیوی کے ازدواجی تعلقات ورمضان سے متعلقہ مسائل	٢	١٨٧	٧٣
٤٨	میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس کہنے کی حکمتیں	٢	١٨٧	٧٣
٤٩	باطل مال (رشوت) کی ممانعت	٢	١٨٨	٧٦
٥٠	چاند کے فوائد اور مقاصد	٢	١٨٩	٧٩
٥١	اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا	٢	١٩٠	٧٩
٥٢	کفار کیساتھ جنگ کے احکامات	٢	١٩١	٨٢

نمبر شمار	مضامین	سورة	آیت نمبر	صفحہ نمبر
۵۳	اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے	۲	۱۹۲	۸۲
۵۴	حرمت والے مہینوں کے احکامات	۲	۱۹۴	۸۴
۵۵	اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے	۲	۱۹۵	۸۴
۵۶	حج وعمرہ کے مسائل	۲	۱۹۶	۸۷
۵۷	حج وعمرہ میں فرق			۸۹
۵۸	حج کی اقسام			۹۰
۵۹	حج کے فضائل			۹۰
۶۰	حج اور عمرہ کی ادائیگی کے ایام	۲	۱۹۷	۹۲
۶۱	حج کے دوران تجارت کرنا کیسا ہے؟	۲	۱۹۸	۹۴
۶۲	اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے	۲	۱۹۹	۹۴
۶۳	مناسکِ حج کی تکمیل کے بعد مصروفیات	۲	۲۰۰	۹۶
۶۴	دنیا وآخرت کی بھلائی مانگنے کا حکم	۲	۲۰۱	۹۶
۶۵	اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے	۲	۲۰۲	۹۶
۶۶	ایام تشریق میں ذکر کا حکم	۲	۲۰۳	۹۸
۶۷	جھگڑا کرنے کی ممانعت	۲	۲۰۴	۱۰۱
۶۸	رضائے الٰہی کا حصول	۲	۲۰۷	۱۰۳
۶۹	اللہ تعالیٰ بندوں پر بہت مہربان ہے	۲	۲۰۷	۱۰۳
۷۰	اسلام میں پورے پورے داخل ہونے کا حکم	۲	۲۰۸	۱۰۵

نمبر شمار	مضامین	سورة	آیت نمبر	صفحہ نمبر
۷۱	نعمتوں کو بدلنے والا عذاب کا مستحق ہے	۲	۲۱۱	۱۰۷
۷۲	دنیا کی زندگی کا حسن کفار کیلئے ہے	۲	۲۱۲	۱۰۹
۷۳	اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے	۲	۲۱۲	۱۰۹
۷۴	پوری انسانیت کے ایک دین پر ہونے کا مفہوم	۲	۲۱۳	۱۱۰
۷۵	جنت کا حصول مصائب وتکالیف کے بعد	۲	۲۱۴	۱۱۲
۷۶	صدقہ کے مستحقین کی ترتیب	۲	۲۱۵	۱۱۴
۷۷	جہاد کی فرضیت	۲	۲۱۶	۱۱۵
۷۸	حرمت والے مہینوں میں جنگ	۲	۲۱۷	۱۱۷
۷۹	اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے	۲	۲۱۸	۱۱۹
۸۰	شراب اور جوئے سے متعلقہ مسائل	۲	۲۱۹	۱۲۰
۸۱	یتیموں کی پرورش	۲	۲۲۰	۱۲۰
۸۲	اللہ تعالیٰ بہت غالب ہے بڑی حکمت والا ہے	۲	۲۲۰	۱۲۰
۸۳	مشرک افراد سے نکاح کی ممانعت	۲	۲۲۱	۱۲۳
۸۴	حیض سے متعلقہ مسائل	۲	۲۲۲	۱۲۵
۸۵	اللہ تعالیٰ توبہ کرنیوالوں اور پاکیزہ رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے	۲	۲۲۲	۱۲۵
۸۶	بیوی سے مباشرت کی وضاحت	۲	۲۲۳	۱۲۶
۸۷	صلح نہ کرانے کی قسم کھانے سے ممانعت اور قسم کا کفارہ	۲	۲۲۴	۱۲۶
۸۸	قَسم کی قِسمیں	۲	۲۲۵	۱۲۸

صفحہ نمبر	آیت نمبر	سورۃ	مضامین	نمبر شمار
۱۲۸	۲۲۵	۲	اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور حلم والا ہے	۸۹
۱۲۹	۲۲۶	۲	بیویوں کے قریب نہ جانے کی قسم کھانا	۹۰
۱۳۰	۲۲۸	۲	طلاق والی خواتین کی عدت	۹۱
۱۳۱			عدت کی حکمتیں	۹۲
۱۳۲	۲۲۹	۲	طلاق دینے کا طریقہ و دیگر مسائل	۹۳
۱۳۴	۲۳۰	۲	طلاق مغلظہ سے متعلقہ مسائل	۹۴
۱۳۶	۲۳۱	۲	طلاق رجعی سے متعلقہ مسائل	۹۵
۱۳۶	۲۳۱	۲	اللہ تعالیٰ ہر شے کو بہت جانتا ہے	۹۶
۱۳۹	۲۳۳	۲	بچے کو دودھ پلانے کے احکامات	۹۷
۱۳۹	۲۳۳	۲	اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے	۹۸
۱۴۱	۲۳۴	۲	بیوہ عورتوں کی عدت	۹۹
۱۴۲	۲۳۵	۲	بیوہ یا مطلقہ کو پیغامِ نکاح کا طریقہ	۱۰۰
۱۴۲	۳۲۵	۲	اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور حلم والا ہے	۱۰۱
۱۴۴	۲۳۷	۲	غیر مدخولہ کو طلاق دینے کے مسائل	۱۰۲
۱۴۵	۲۳۸	۲	درمیانی نماز کی پابندی کا حکم	۱۰۳
۱۴۷	۲۳۹	۲	ہر حالت میں نماز کی پابندی ضروری ہے	۱۰۴
۱۴۸	۲۴۰	۲	بیوہ عورتوں کیلئے نان و نفقہ	۱۰۵
۱۴۹	۲۴۱	۲	طلاق دی گئی عورتوں کیلئے نان و نفقہ	۱۰۶

نمبر شمار	مضامین	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
۱۰۷	موت کے خوف سے ڈر کر بھاگنے کی ممانعت	۲	۲۴۳	۱۴۹
۱۰۸	اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، بہت جاننے والا ہے	۲	۲۴۴	۱۵۱
۱۰۹	اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دینے کا مفہوم	۲	۲۴۵	۱۵۱
۱۱۰	بنی اسرائیل کی انبیاء سے مخالفت	۲	۲۴۶	۱۵۳
۱۱۱	اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے	۲	۲۴۶	۱۵۳
۱۱۲	اللہ تعالیٰ کا طالوت کو امیر مقرر فرمانا	۲	۲۴۷	۱۵۴
۱۱۳	اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے اور سب کچھ جانتا ہے	۲	۲۴۷	۱۵۴
۱۱۴	حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت ہارون علیہ السلام کا کچھ ترکہ	۲	۲۴۸	۱۵۶
۱۱۵	طالوت کی قیادت میں بنی اسرائیل کی آزمائش	۲	۲۴۹	۱۵۷
۱۱۶	اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے	۲	۲۴۹	۱۵۷
۱۱۷	اللہ تعالیٰ تمام جہانوں پر فضل فرمانے والا ہے	۲	۲۵۱	۱۵۹
۱۱۸	حضرت داؤد علیہ السلام کی جالوت سے جنگ	۲	۲۵۲	۱۵۹
۱۱۹	رسولوں کی ایک دوسرے پر فضیلت	۲	۲۵۳	۱۶۲
۱۲۰	اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جس کا ارادہ فرماتا ہے	۲	۲۵۳	۱۶۲
۱۲۱	اللہ کی راہ میں خرچ کرنیکی ترغیب	۲	۲۵۴	۱۶۵
۱۲۲	اللہ کی صفات کا ذکر (آیۃ الکرسی)	۲	۲۵۵	۱۶۶
۱۲۳	''دین میں جبر نہیں'' کا مفہوم	۲	۲۵۶	۱۶۷
۱۲۴	اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، بہت جاننے والا ہے	۲	۲۵۶	۱۶۷

نمبر شمار	مضامین	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
۱۲۵	اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے	۲	۲۵۶	۱۶۷
۱۲۶	مومن کی اچھائی اور کافر کی برائی	۲	۲۵۷	۱۷۰
۱۲۷	حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مباحثہ	۲	۲۵۸	۱۷۱
۱۲۸	اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا	۲	۲۵۸	۱۷۱
۱۲۹	حضرت عزیر علیہ السلام کو موت کے بعد زندگی بخشنا	۲	۲۵۹	۱۷۳
۱۳۰	اللہ تعالیٰ ہر شی پر قادر ہے	۲	۲۵۹	۱۵۳
۱۳۱	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا موت کے بعد حیات کا مشاہدہ	۲	۲۶۰	۱۷۵
۱۳۲	اللہ تعالیٰ بہت غالب ہے بڑی حکمت والا ہے	۲	۲۶۰	۱۷۵
۱۳۳	اللہ کی راہ میں خرچ کرنیکی فضیلت	۲	۲۶۱	۱۷۷
۱۳۴	اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے اور سب کچھ جانتا ہے	۲	۲۶۱	۱۷۷
۱۳۵	صدقہ کر کے احسان نہ جتانے کا حکم	۲	۲۶۲	۱۷۷
۱۳۶	بھلی بات اور درگزر بھی صدقہ ہے	۲	۲۶۳	۱۷۷
۱۳۷	اللہ تعالیٰ بے نیاز اور حلم والا ہے	۲	۲۶۳	۱۷۷
۱۳۸	صدقہ کو احسان جتا کر ضائع کر دینا	۲	۲۶۴	۱۷۹
۱۳۹	اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا	۲	۲۶۴	۱۷۹
۱۴۰	مالوں کو رضائے الٰہی کیلئے خرچ کرنا	۲	۲۶۵	۱۸۰
۱۴۱	اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے	۲	۲۶۵	۱۸۰
۱۴۲	صدقہ کو ضائع ہونے سے بچانا	۲	۲۶۶	۱۸۲

نمبر شمار	مضامین	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
۱۴۳	بہترین چیز کو صدقہ کرنیکی ترغیب	۲	۲۶۷	۱۸۴
۱۴۴	اللہ تعالیٰ بے نیاز اور بے حد تعریف کیا ہوا ہے	۲	۲۶۷	۱۸۴
۱۴۵	اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے اور سب کچھ جانتا ہے	۲	۲۶۸	۱۸۴
۱۴۶	''حکمت'' خیر کثیر ہے	۲	۲۶۹	۱۸۴
۱۴۷	نذر ماننے کا بیان	۲	۲۷۰	۱۸۷
۱۴۸	صدقہ کو اعلانیہ یا چھپا کر دیا جا سکتا ہے	۲	۲۷۱	۱۸۷
۱۴۹	خرچ صرف رضائے الٰہی کیلئے ہو	۲	۲۷۲	۱۸۹
۱۵۰	صدقہ کے سب سے زیادہ مستحق افراد	۲	۲۷۳	۱۹۰
۱۵۱	سودخوروں کا انجام	۲	۲۷۵	۱۹۳
۱۵۲	اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے گنہگار کو پسند نہیں فرماتا	۲	۲۷۶	۱۹۳
۱۵۳	ایمان والوں کیلئے اعمال صالحہ کا اجر	۲	۲۷۷	۱۹۷
۱۵۴	اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کا اعلان	۲	۲۷۹	۱۹۷
۱۵۵	تنگدست مقروض کو مہلت دینا	۲	۲۸۰	۱۹۹
۱۵۶	قرض معاف کرنے کی فضیلت	۲	۲۸۰	۱۹۹
۱۵۷	لین دین کے معاملات کو لکھنے کا حکم	۲	۲۸۲	۲۰۰
۱۵۸	لکھتے وقت گواہ بنانا ضروری ہیں	۲	۲۸۲	۲۰۲
۱۵۹	خرید و فروخت کے وقت گواہ بنانا	۲	۲۸۲	۲۰۳
۱۶۰	اللہ تعالیٰ ہر شے کو بہت جانتا ہے	۲	۲۸۲	۲۰۴

نمبر شمار	مضامین	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
۱۶۱	لین دین سے متعلقہ تفصیلی ہدایات	۲	۲۸۳	۲۰۵
۱۶۲	اللہ دلوں کے بھید سے واقف ہے	۲	۲۸۴	۲۰۷
۱۶۳	اللہ تعالیٰ ہر شی پر قادر ہے	۲	۲۸۴	۲۰۷
۱۶۴	سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات کی فضیلت	۲	۲۸۵	۲۰۹
۱۶۵		۲	۲۸۶	۲۰۹
۱۶۶	سورۂ آل عمران کا تعارف			۲۱۲
۱۶۷	عیسائیوں کے غلط عقائد کی تردید	۳	۱ تا ۴	۲۱۵
۱۶۸	اللہ تعالیٰ غالب انتقام لینے والا ہے	۳	۴	۲۱۵
۱۶۹	اللہ تعالیٰ بہت غالب ہے بڑی حکمت والا ہے	۳	۶	۲۱۵
۱۷۰	محکم اور متشابہ آیات کا بیان	۳	۷	۲۱۸
۱۷۱	ہدایت کے بعد استقامت کی دُعا	۳	۸	۲۲۱
۱۷۲	اللہ تعالیٰ وعدے کے خلاف نہیں کرتا	۳	۹	۲۲۱
۱۷۳	کفار کے حالات	۳	۱۱	۲۲۲
۱۷۴	میدان بدر میں اللہ کی نصرت	۳	۱۳	۲۲۴
۱۷۵	دنیا میں مرغوب چیزوں کا بیان	۳	۱۴	۲۲۵
۱۷۶	اللہ تعالیٰ ہی کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے	۳	۱۴	۲۲۵
۱۷۷	جنت کی لازوال نعمتیں	۳	۱۵	۲۲۷
۱۷۸	متقین کی صفات	۳	۱۷	۲۲۸

نمبر شمار	مضامین	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
۱۷۹	کائنات کی ہر چیز خدا کی وحدانیت پر گواہ	۳	۱۸	۲۲۹
۱۸۰	اللہ تعالیٰ بہت غالب ہے بڑی حکمت والا ہے	۳	۱۸	۲۲۹
۱۸۱	''دین اسلام'' سب سے بہتر دین ہے	۳	۱۹	۲۳۱
۱۸۲	اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے	۳	۱۹	۲۳۱
۱۸۳	مخالفین اسلام کو واضح جواب	۳	۲۰	۲۳۳
۱۸۴	مخالفین ومنکرین کی تین عادات	۳	۲۱	۲۳۴
۱۸۵	کتاب اللہ سے روگرانی اور سرکشی	۳	۲۳	۲۳۵
۱۸۶	ملک کا مالک اللہ تعالیٰ ہے	۳	۲۶	۲۳۷
۱۸۷	اللہ تعالیٰ ہر شی پر قادر ہے	۳	۲۶	۲۳۷
۱۸۸	عظیم کمالاتِ قدرت	۳	۲۷	۲۳۸
۱۸۹	اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے	۳	۲۷	۲۳۸
۱۹۰	کفار سے دوستی کی سخت ممانعت	۳	۲۸	۲۳۹
۱۹۱	اللہ تعالیٰ ہر شی پر قادر ہے	۳	۲۹	۲۴۱
۱۹۲	اللہ تعالیٰ بندوں پر بہت مہربان ہے	۳	۳۰	۲۴۱
۱۹۳	اللہ تعالیٰ کی محبت کے سچے دعویدار	۳	۳۱	۲۴۲
۱۹۴	اللہ تعالیٰ کافروں کو دوست نہیں رکھتا	۳	۳۲	۲۴۲
۱۹۵	انبیاء علیہم السلام کی عظمت وبرتری	۳	۳۳	۲۴۴
۱۹۶	اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، بہت جاننے والا ہے	۳	۳۴	۲۴۴

نمبر شمار	مضامین	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
۱۹۷	حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کی نذر	۳	۳۵	۲۴۶
۱۹۸	حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت	۳	۳۷	۲۴۸
۱۹۹	اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے	۳	۳۷	۲۴۸
۲۰۰	حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا	۳	۳۸	۲۵۰
۲۰۱	حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صفات کا ذکر	۳	۳۹	۲۵۰
۲۰۲	اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے	۳	۴۰	۲۵۲
۲۰۳	حضرت زکریا علیہ السلام کیلئے نشانی کا عطا ہونا	۳	۴۱	۲۵۲
۲۰۴	حضرت مریم علیہا السلام کی فضیلت	۳	۴۲	۲۵۳
۲۰۵	انبیاء کو غیب کی خبروں کی اطلاع	۳	۴۴	۲۵۵
۲۰۶	حضرت مریم علیہا السلام کو عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری	۳	۴۵	۲۵۶
۲۰۷	حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انعامات الٰہیہ	۳	۴۸	۲۵۸
۲۰۸	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر	۳	۴۹	۲۵۸
۲۰۹	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا توراۃ کی تصدیق کرنا	۳	۵۰	۲۶۱
۲۱۰	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حواریوں کو پکارنا	۳	۵۲	۲۶۲
۲۱۱	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی سازش	۳	۵۴	۲۶۲
۲۱۲	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانا	۳	۵۵	۲۶۳
۲۱۳	کفار کو دنیا و آخرت میں عذاب	۳	۵۶	۲۶۶
۲۱۴	حضرت آدم علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام میں مماثلت	۳	۵۹	۲۶۷

نمبر شمار	مضامین	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
٢١٥	عیسائیوں کا حضور ﷺ کیساتھ مباہلہ	٣	٦١	٢٦٧
٢١٦	اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے	٣	٦٣	٢٦٩
٢١٧	غیروں کو قریب کرنے کا اندازِ حکیمانہ	٣	٦٤	٢٧٠
٢١٨	حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی یا عیسائی؟	٣	٦٥	٢٧٢
٢١٩	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین	٣	٦٧	٢٧٣
٢٢٠	اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مددگار ہے	٣	٦٨	٢٧٣
٢٢١	مسلمانوں کو گمراہ کرنے کیلئے کفار کے حیلے بہانے	٣	٦٩	٢٧٤
٢٢٢	یہودیوں کی چال بازیاں	٣	٧٢	٢٧٥
٢٢٣	اہل کتاب دیانتدار بھی ہیں اور شاطر بھی	٣	٧٥	٢٧٧
٢٢٤	اللہ تعالیٰ متقین سے محبت فرمانے والا ہے۔	٣	٧٦	٢٧٧
٢٢٥	عہد شکنی اور جھوٹی قسمیں گناہِ کبیرہ ہے	٣	٧٧	٢٧٨
٢٢٦	یہود کا کتاب میں تحریف کرنا	٣	٧٨	٢٧٩
٢٢٧	انبیاء علیہم السلام پر یہود کے جھوٹے الزامات	٣	٧٩	٢٨٠
٢٢٨	حضور ﷺ کے بارہ میں انبیاء سے لیا گیا عہد	٣	٨١	٢٨٢
٢٢٩	یہود کو دعوتِ فکر	٣	٨٣	٢٨٤
٢٣٠	تمام انبیاء اور کتب الٰہیہ پر ایمان لانا ضروری ہے	٣	٨٤	٢٨٥
٢٣١	مرتد ہونے کے بعد قبول اسلام	٣	٨٦	٢٨٧
٢٣٢	کفر و شرک پر مرنے والوں کا انجام	٣	٩١	٢٨٩

سَيَقُولُ السُّفَهَاۗءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۭ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

صدق اللہ العظیم

قریب ہے بیوقوف لوگ کہیں گے (مسلمانوں کو) اُن کے قبلہ (بیت المقدس) سے کس نے پھیر دیا جس پر وہ تھے آپ کہہ دیجئے مشرق و مغرب اللہ ہی کے ہیں وہ جسے چاہے سیدھی راہ پر چلاتا ہے۔(۱۴۲)

تفسیر

اس اجمال کی تفصیل کچھ اس طرح ہے، جب حضور ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو آپ سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ آپ ﷺ کی دل بھاتی خواہش یہ تھی کہ قبلہ بیت اللہ شریف ہو جائے جس کی تفصیل اگلی آیات میں آ رہی ہے۔ چنانچہ آپ کی اس دلی تمنا کے مطابق قبلہ بیت اللہ شریف بنا دیا گیا اور آپ نے جو پہلی نماز بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے پڑھی وہ عصر کی نماز تھی۔ لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ پڑھی اس کے بعد ایک شخص دوسری مسجد کے قریب سے گزرا تو وہاں پر لوگ نماز ادا کر رہے تھے اور وہ اس وقت رکوع کی حالت میں تھے اس نے بلند آواز سے کہا ''میں نے دیکھا ہے، حضور ﷺ نے بیت اللہ شریف (مکہ مکرمہ) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے۔'' مسجد کے سارے نمازی اُسی حالت میں کعبہ شریف کی طرف پھر گئے۔

یہود کو یہ بات پسند نہ آئی کہ آپ بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں۔ وہ چاہتے تھے کہ آپ حسب سابق بیت المقدس کی طرف ہی متوجہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کے اس بیہودہ اعتراض پر فرمایا انہیں کہہ دیجئے تمام مشارق و مغارب اللہ کے ہی ہیں۔ آپ جب مکہ مکرمہ میں تھے تو بیت المقدس کی طرف ہی منہ کر کے نماز پڑھتے تھے مگر کھڑا ہونے کا انداز یہ تھا کہ منہ تو بیت المقدس کی طرف ہوتا تھا مگر پیٹھ بیت

اللہ شریف کو نہیں ہوتی تھی۔

اس ضمن میں یہ بھی ملتا ہے کہ حضور ﷺ نے یہود کی حوصلہ افزائی اور انہیں قبول اسلام کے قریب کرنے کیلئے سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کیا مگر جب آپ ان کے اسلام لانے سے مایوس ہو گئے تو پھر چاہا کہ قبلہ ''کعبہ'' ہو جائے۔ حافظ ابو عمر ابن عبد البرّ اس قول کو ترجیح دیتے ہیں۔

حضور ﷺ نے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ کر عالم اسلام کیلئے قبلہ کی جہت مقرر فرمادی۔ اسلام کے اس نظام میں زبردست حکمت یہ دکھائی دیتی ہے کہ ملت اسلامیہ کو افتراق وانتشار سے بچا کر ایک طرف متوجہ کر کے ایک جان بنا دیا جائے جس سے وحدت اسلامی کا درس ملتا ہے۔ کاش امت مسلمہ کو یہ احساس ہو جائے کہ تمام ممالک اسلامیہ اس وحدت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کفر کے خلاف بھی متحد ہو کر صف آراء ہو جائیں اور اس قبلہ کی عظمت ووقار کیلئے میدان عمل میں اُتر آئیں۔ دنیا میں کفر کی یلغار عظمت کعبہ کے منافی ہے۔

تحویل قبلہ میں ایک حکمت یہ بھی دکھائی دیتی ہے کہ لوگوں کو اجتماعی زندگی کے اصول وضوابط پر چلایا جائے اور اجتماعی زندگی کا بہت بڑا اصول یہ ہے کہ لوگوں کی وحدت اور یکجہتی ہو۔ یہ وحدت جس قدر مضبوط ہوگی اجتماعی نظام مضبوط ہوگا۔ تحویل قبلہ کو نقطۂ وحدت قرار دیا گیا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سمت وجہت سے پاک ہے۔ تاہم اجتماعی صورت اور وحدت پیدا کرنے کیلئے سمت کا تقرر وحدت کا بہترین ذریعہ ہے۔

وَصلَّى اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدِدِ خَلْقِہٖ

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

صدق اللہ العظیم

اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور یہ رسول (ﷺ) تمہارے حق میں گواہ ہو جائیں (اے محبوب) جس قبلہ پر آپ پہلے تھے ہم نے اس کو اس لئے قبلہ بنایا تھا تا کہ ہم ظاہر کر دیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون اُلٹے پاؤں پھرتا ہے۔ بے شک یہ (حکم) بہت بھاری ہے مگر ان پر (بھاری نہیں) جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع کر دے۔ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت مہربان، بہت رحم فرمانے والا ہے۔(۱۴۳)

تفسیر

اس آیہ مبارکہ میں حضور ﷺ کی امت کو ''امت وسط'' فرمایا گیا ہے جس میں واضح اشارہ ہے کہ حضور ﷺ کی امت افراط وتفریط دونوں سے پاک ہے۔ اس امت کا ہر پہلو مناسب ہے۔ اخلاق، کردار، عمل عبادت وریاضت کے اصول وضوابط نہائیت موزوں ہیں۔

جس طرح ہم نے تمہیں باقی لوگوں سے ہدایت اور علم میں ممتاز کیا تمہارے قبلہ کو افضل بنایا اسی طرح اے محبوب! ہم نے آپ کی اُمت کو بھی تمام امتوں سے افضل امت بنایا ہے، وسط بنایا ہے۔ عقیدے میں اس امت کا اعتدال کچھ اسطرح ہے نہ تو یہ امت منکرین خدا کی طرح وجود باری تعالیٰ کی منکر ہے اور نہ ہی کئی خداؤں کی قائل ہے (معاذ اللہ) یہ امت نہ تو نبوت کی منکر ہے اور نہ ہی نبوت کے قیامت تک جاری

رہنے کی قائل ہے۔ختم نبوت پر زبردست عقیدہ رکھتی ہے۔امت وسط کا معنی یوں بھی ہے کہ کچھ لوگ (خوارج) کہتے ہیں گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ یہ کفر ہے۔ایک طبقہ کہتا ہے گناہ کرنے سے کوئی نقصان نہیں۔ اسلام وہ مقدس دین ہے جو درمیانی راہ ہے کہ بندہ گناہ سے کافر تو نہیں ہوتا مگر گناہ کے بعد توبہ نہیں کرتا تو سزا کا مستحق ہوگا۔صفت اعتدال کو مرکزیت حاصل ہے مثلاً انسانی جسم میں جب تک چاروں عناصر گرمی، سردی، خشکی اور تری اعتدال میں ہیں تو صحت درست ہے۔جب ذرا فرق آیا تو بیماری آ گئی۔

اسی طرح بڑا ضروری ہے کہ روحانیت اور اخلاق میں اعتدال ہو، ورنہ بندہ روحانی بیماریوں میں پھنس جائے گا۔اسی اعتدال کا نام روحانی صحت ہے اور یہی بے اعتدالی اخلاقی بیماری ہے جیسے انسانی جسم بے اعتدالی کا شکار ہو جائے تو بیمار ہو جاتا ہے ایسے ہی روح انسانی بھی بے اعتدالی کا شکار ہو جائے تو بیمار ہو جاتی ہے۔جیسے جسمانی بیماریوں کیلئے طبیب ہیں، ڈاکٹر ہیں، معالج ہیں ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے روحانی بیماریوں کے دور کرنے کیلئے ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم وبیش حقیقی معالج انبیاء علیہم السلام کو بھیجا جو اپنی اپنی امتوں کو اعتدال کی راہیں بتاتے رہے۔

سب سے زیادہ اخلاقی، روحانی اصلاح کیلئے ہمارے رسول کریم ﷺ کا وجود مسعود ہے۔اسی باعث ان کی اُمت اعتدال میں ہے اور امت وسط کہلاتی ہے۔عبادت کے اندر اس امت کا اعتدال یہ ہے کہ احکام کی اطاعت بھی ہے، بارگاہ قدس سے ربط بھی ہے، جسمانی آرام وسکون بھی ہے، سونا بھی ہے جاگنا بھی ہے۔"**لنفسک علیک حق**" (تیرے جسم کا تجھ پر حق ہے)۔عیسائیوں کی طرح اہل وعیال گھر بار کو چھوڑ کر رہبانیت اختیار کر کے قرب الٰہی کے تصور کو غلط قرار دیا اور اسلام نے "**لا رھبانیة فی الاسلام**" کے حکم سے اعتدال پیدا کر دیا۔(اسلام میں رہبانیت نہیں) اسلام نے "**ربنا آتنا فی الدنیا حسنه و فی الآخرة حسنه**" کہ اس سے دین و دنیا دونوں کا درس دیا ہے، یہ اعتدال ہے۔ اس امت کے اندر معاشرتی اعتدال اس طرح واضح ہے کہ پہلی قوموں میں بے اعتدالی کا یہ عالم تھا، قتل و

غارت، لوٹ مار انسانی حقوق کی پامالی کی پرواہ نہ تھی۔ مگر جاہلانہ رحم دلی یہ کہ کیڑے مکوڑے کا کچلا جانا بھی جرم سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے ان بے اعتدالیوں کا خاتمہ کر دیا۔ حقوق العباد کو اہمیت دی ہر معاملہ میں حد بندی کر دی ہے۔ دوسرے کا حق پورا کرنے کا بھی حکم ہے، اپنے حقوق میں درگزر کا سبق بھی ہے۔ اقتصادیات میں اعتدال اس طرح فرمایا مثلاً سرمایہ داری نظام میں حلال، حرام کی پابندی کے بغیر دولت کمانے کو اہمیت ہے۔ دوسری طرف کسی شخص کی ذاتی ملکیت کو ہی ناجائز کیا گیا ہے۔ اسلام نے حسین اعتدال بتایا ہے کہ ذاتی ملکیت کو جائز فرمایا، حرام دولت کمانے سے روک دیا ہے۔ اس امت میں اعتدال کی صورت یہ بھی ہے کہ نہ تو یہ یہود کی طرح انبیاء کے دشمن ہیں نہ عیسائیوں کی طرح نبی کو خدا کہتے ہیں۔

اس آیہ مبارکہ میں اس امت وسط کی عظمت کو اسطرح بھی بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں پر گواہی دے گی جیسے امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں روایت نقل کی ہے قیامت کے دن نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا تم نے تبلیغ کی تھی وہ عرض کریں گے یا اللہ میں نے لوگوں کو دین کی تبلیغ کی تھی پھر امت سے پوچھا جائے گا، تمہارے پاس کوئی ڈر سنانے والا آیا تھا، امت کہے گی کوئی نہیں آیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام سے فرمائے گا نوح! تیرے حق میں کوئی گواہی دے گا، نوح علیہ السلام عرض کریں گے محمد ﷺ اور ان کی امت میری گواہی دے گی۔ (بخاری شریف ص ۶۴۵ ج ۲)

اسی آیہ پاک میں حضور ﷺ کی گواہی کا بھی ذکر ہے۔ ہر نبی اپنی امت پر گواہی دے گا اور حضور ﷺ تمام انبیاء پر اُن کے سچے ہونے کی گواہی دیں گے۔ اسی عنوان کو قرآن مقدس نے اس طرح ذکر فرمایا ہے" **وجئنا بک علی ھؤلاء شھیدا** "(اور آپ کو اُن سب پر گواہ لائیں گے) گواہی کیلئے عینی شہادت کا ہونا ضروری ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا مجھ پر تمہارے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ نیک عمل دیکھتا ہوں تو اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں، برا عمل دیکھتا ہوں تو تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں۔ یہی عنوان سنن ابوداؤد شریف میں اس طرح ملتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا تمام دنوں میں سب سے زیادہ فضیلت والا دن جمعہ ہے

۔اس دن کثرت سے درود پڑھا کرو کہ تمہارا درود شریف کا پڑھنا مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔عرض کی گئی حضور (ﷺ) صلواۃ کیسے پیش ہوگی، آپ کا جسم تو بوسیدہ ہو چکا ہوگا تو فرمایا ”اللہ نے انبیاء کے اجسام کھانے کو زمین پر حرام کردیا ہے“

آیہ پاک کے آخر میں تحویل قبلہ کی حکمت بیان کی گئی ہے کہ یہ اس لئے ہوا تا کہ امتیاز ہو جائے کہ کون حضور ﷺ کی اتباع کرتا ہے اور کون اعراض کرتا ہے۔ ہدایت یافتہ لوگوں کے علاوہ تحویل قبلہ کا حکم سبھی پر بھاری ہے۔اللہ کی یہ شان نہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع کرے وہ بہت مہربان بے حد رحم والا ہے۔

تحویل قبلہ کے اس عظیم واقعہ پر اُن علماء کو غور کرنا چاہئے جو کہتے ہیں، خبر واحد سے کوئی قطعی حکم منسوخ نہیں ہوتا۔ یہاں پر تو بنی سلمہ اور اہل قبا کو ایک بندے نے ہی بتایا ہے کہ حضور ﷺ نے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے تو سبھی نے رخ بدل لیا ہے اور اُسی ایک پر اعتماد کیا گیا ہے۔ بنو سلمہ کے لوگوں نے نماز ظہر یا عصر میں رخ بدلا تھا اور اہل قبا نے اگلے دن صبح کی نماز میں کہ انہیں خبر ہی اگلے دن ملی تھی۔

اس عظیم واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی جو نماز سے باہر ہے نمازی کی اصلاح کیلئے کوئی بات کہہ دے اور وہ نمازی اس پر عمل کرے تو نماز فاسد نہیں ہوگی، جیسے ان لوگوں نے اس آدمی کے کہنے پر عمل کیا ہے جو نماز سے باہر تھا۔ مثلاً نماز پڑھنے والے کا رخ قبلہ سمت نہیں اور نماز سے باہر کا آدمی یہ کہہ دے ذرا رخ دائیں یا بائیں طرف کرلیں اور وہ کر لیتا ہے تو ایسی صورت میں نماز فاسد نہیں ہوگی۔ جیسے اس تحویل قبلہ کے واقعہ میں ہوا ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص نماز سے باہر شخص کی اتباع اسلئے کرے کہ اُسے خوش کرنا مقصود ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی، اگر حکم شرعی کی اتباع ہے تو فاسد نہیں ہوگی۔

وَصلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصحَابِہٖ بِعَدِدِ خَلقِہٖ

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

صدق اللہ العظیم

بے شک ہم آپ کے چہرے کا آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں پس آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں (اور اے ایمان والو) تم جہاں کہیں بھی ہو تم اپنا چہرہ اُسی کی طرف پھیر لو اور بے شک اہل کتاب کو علم ہے کہ یہ (حکم) ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور جو کچھ کر رہے ہیں اللہ (تعالیٰ) اس سے غافل نہیں۔ (۱۴۴)

تفسیر

حضور ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر جب مدینہ منورہ آئے تو قریبا سترہ (۱۷) ماہ تک بیت المقدس شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے، حضور ﷺ چاہتے تھے کہ آپ کا قبلہ کعبہ ہو کہ وہ آپ کے جد امجد سیدنا خلیل علیہ السلام کا قبلہ تھا اس سلسلہ میں حضور ﷺ اپنے رب قدوس سے امید رکھتے ہوئے اپنے چہرۂ انور کو آسمان کی طرف بار بار وحی کے انتظار میں اُٹھاتے کہ تبدیلیِ قبلہ کا حکم نازل ہو جائے۔ رب قدوس جل مجدہ کو اپنے محبوب پاک علیہ السلام کا یہ انداز پیارا لگا اور ان کی دلی خواہش کی تکمیل فرما دی اور مسجد حرام کی طرف منہ پھیرنے کا حکم اتار دیا۔ ''**فول وجھک شطر المسجد الحرام**'' اب ملت اسلامیہ کا قبلہ کعبہ بنا دیا گیا، کوئی جہاں کہیں بھی ہو اس کا قبلہ کعبہ ہے۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ بھی اس تبدیلی پر یقین رکھتے تھے کہ کتب ساویہ میں یہ درج تھا کہ آنے والے آخر الزماں رسول کا قبلہ کعبہ ہو گا اور یہ قبلہ

بدلنے کا فیصلہ رب قدوس کی طرف سے ہی ہے مگر محض عناد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر انکار کرتے تھے۔

ساری جہتیں تو اللہ تعالیٰ کی ہی ہیں جیسے ارشاد ہوتا ہے" قل لِلّٰہ المشرق والمغرب " (کہہ دیجئے مشرق ومغرب تمام جہات اللہ کیلئے ہی ہیں) مگر پوری ملت اسلامیہ کو نماز پڑھنے میں ایک جہت کی طرف متوجہ فرما کر اسلام میں اتحاد ویگانگت اور مسلمانوں کے اندر ایک اجتماعی اتحادی قوت پیدا کرنے کا اشارہ ملتا ہے جو کفر پر ضرب کاری ہے جب تک اس اسلامی اتحاد میں قوت رہی اسلام معزز وغالب رہا اور جب ملت اسلامیہ کی اتحادی قوت میں کمزوری آگئی تو ملت اسلامیہ پریشانیوں میں گھر گئی۔ جس دور میں یہ سطور لکھی جا رہی ہیں ملت اسلامیہ کے اتحاد میں شگاف ہے جس کے باعث کفرستان کا سرکش لیڈر "بش" مصیبت بنا ہوا ہے۔

اس تبدیلی قبلہ کی آیہ مبارکہ میں مسجد حرام کی طرف منہ پھیرنے کا حکم دیا گیا۔ کعبہ یا بیت اللہ کے الفاظ نہیں اگر یہ الفاظ مبارکہ ہوتے تو مسئلہ پیدا ہو جاتا کہ نماز میں کعبہ یا بیت اللہ کا نظر آنا ضروری ہے اور اس پر تعمیل مشکل ہو جاتی ملت اسلامیہ کو اس مشکل سے بچانے کیلئے مسجد حرام کی سمت کا ذکر فرما دیا گیا۔ پھر لفظ "شطر" فرما کر ایک اور آسانی پیدا کر دی گئی ہے کہ اگر صرف مسجد حرام کا ذکر ہوتا تو بعض دور دراز کے ممالک اسلامیہ میں موسم کے بدلنے اور سورج کے طلوع وغروب کی نسبت سے فرق آتا۔ لفظ "شطر" فرما کر اس مسئلہ کو ایسے حل فرما دیا گیا کہ مسجد حرام کی سمت کی طرف نماز پڑھ لی گئی تو نماز ہو گئی۔ اگر کوئی شخص حرم کعبہ میں ہے اور بیت اللہ شریف کا مشاہدہ کر رہا ہے تو کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے۔ اگر کعبہ شریف سے دور ہے تو اس کی سمت کی طرف منہ کرنا فرض ہے۔

اس آیہ مبارکہ میں "ترضٰہا" کا لفظ بتاتا ہے کہ کعبہ کو قبلہ بنا دیا گیا کہ حضور ﷺ محبوب جانتے تھے کہ ان کا قبلہ کعبہ ہو جائے۔

تحویل قبلہ کا حکم ۲ھ میں ہوا۔ حضور ﷺ بشیر بن براء کے ہاں ضیافت پر گئے ہوئے تھے، نماز

ظہر کا وقت ہو گیا دو رکعتیں پڑھی جا چکی تھیں یہ حکم نازل ہو گیا عین اسی وقت تمام لوگ بیت المقدس سے کعبے کی طرف پھر گئے، جیسے جیسے یہ خبر علاقوں میں پہنچتی گئی لوگ عمل پیرا ہوتے گئے۔ بنی سلمہ کو یہ اطلاع دوسرے دن صبح کی نماز میں پہنچی ایک رکعت ہو چکی تھی ایک آواز سنائی دی قبلہ بیت المقدس کی بجائے کعبہ بنا دیا گیا ہے اور آواز سنتے ہی پوری کی پوری جماعت نے رُخ بدل لیا۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلىٰ حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلىٰ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

وَلَىِٕنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

صدق اللہ العظیم

اور اگر آپ اہل کتاب کے پاس ہر قسم کا معجزہ بھی لے آئیں پھر بھی وہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ ہی آپ اُن کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں اور (اے مخاطب) اگر علم حاصل ہونے کے بعد تو نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو تو بے شک ضرور ظلم کرنے والوں سے ہوگا۔ (۱۴۵)

تفسیر

حضور ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ اگر آپ ان کے پاس کھلے کھلے دلائل بھی لے آئیں تو بھی وہ آپ کے قبلہ کی اتباع نہ کریں گے اس لئے کہ اُن کے تمام اعتراضات کسی حقیقت پر مبنی نہیں بلکہ محض حسد، ضد اور ہٹ دھرمی ہے۔ حسد اور ضد کے سامنے کس قدر ہی دلائل مضبوط ہوں ناکام رہتے ہیں۔ ان مخالفین کا سارا نظام ہی تیرے ساتھ حسد پر مبنی ہے اور آپ بھی ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں کہ آپ کیلئے بیت

اللہ شریف ہمیشہ ہمیشہ قبلہ ہے کبھی منسوخ نہ ہوگا اور اس لئے فرمایا گیا کہ اہل کتاب رسول اللہ ﷺ سے اپنے قبلہ کی طرف رجوع فرمانے سے ناامید ہوجائیں۔اگرچہ یہود ونصاریٰ الگ الگ قبلہ کے قائل ہیں مگر چونکہ اسلام دشمنی اورحق کی مخالفت میں دونوں یکساں ہیں اس لئے'' قبلتھم '' واحد کے صیغہ سے ذکر فرمادیا گیا۔اور یہود ونصاریٰ بھی ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے کہ یہود کا قبلہ بیت المقدس مغرب میں ہے اور عیسائیوں کا قبلہ مشرق میں ۔اس لئے فرمایا گیا کہ ایکدوسرے کی اتباع نہیں کریں گے

(اے مخاطب) حق واضح ہونے کے بعد اگر تو نے ان کی خواہشات کی اتباع کی تو تو نافرمانوں سے ہو گا۔اس مقام پر یہ غلطی نہ ہوجائے کہ اس آیہ مبارکہ کا مفہوم عصمت کے منافی معلوم ہوتا ہے۔(معاذ اللہ) ہرگز نہیں حضور ﷺ سے ان کی اتباع ممکن ہی نہیں۔اس میں اُمت کو جھنجھوڑ کر کہا جارہا ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے خلاف اہل کتاب کی خواہشات کی اتباع نہ کریں اگر کچھ بھی اتباع پائی جائے گی تو ظلم ہوگا۔حضور ﷺ سے اس قسم کے خطاب سے دوسروں کیلئے اہم حکم ہے کہ وہ بچیں۔''ولئن اتبعت '' کا خطاب حضور ﷺ کیلئے بطور فرض محال ہے جس کے واقع ہونے کا کوئی احتمال نہیں۔حضور ﷺ معصوم ہیں اور معصوم سے ظلم کا سرزد ہونا محال ہے۔لہذا یہ بھی محال ہے کہ حضور ﷺ ان کے قبلہ کی اتباع قبول کرلیں نیز ان سخت الفاظ سے امت کو ڈرایا جارہا ہے کہ وہ یہود ونصاریٰ کی اتباع سے بچیں۔

وَصلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدَدِ خَلْقِہٖ

الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْؕ-وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ(۱۴۶) اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ(۱۴۷)

صدق اللہ العظیم

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ (حضور ﷺ) کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو اور بے شک ایک گروہ اُن میں سے حق کو چھپاتا ہے اور وہ جانتے ہیں (۱۴۶) کہ یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے۔ (اے مخاطب) تو شک کرنے والوں سے ہر گز نہ بن جانا۔(۱۴۷)

تفسیر

اس آیہ پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی واضح اور نمایاں پہچان کا ذکر فرمایا ہے کہ آپ کوئی ڈھکی چھپی شخصیت نہیں۔ اہل کتاب حضور ﷺ کو اچھی طرح پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو جانتے پہچانتے ہیں اور کسی قسم کے شک وشبہ سے بالا ہیں۔ حضور کو پہچانتے ہیں کہ آپ کا ذکر، آپ کا حلیہ، آپ کے خصائل و کمالات آپ کے معجزات کا صاف صاف ذکر آسمانی کتابوں میں درج ہے۔ کہ انکار کی گنجائش ہی نہیں رہتی

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک معنی یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ یہود ونصاریٰ تحویل قبلہ کے حق ہونے کو اسطرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ آیہ مبارکہ کی پہلی تفسیر کہ یہود حضور ﷺ کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے بیٹوں کو اس آیہ مبارکہ کی تائید میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول واضح ملتا ہے۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن سلام سے پوچھا حضور ﷺ کی پہچان کیسی ہے؟ تو عبداللہ بن سلام نے جواب دیا اے عمر میں نے آپ کو دیکھا تو ایسے جھٹ پہچان لیا جیسے اپنے بیٹے کو پہچانتا ہوں اور میں حضور ﷺ کو اپنے بیٹے سے زیادہ پہچانتا ہوں میں شہادت دیتا ہوں آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سلام کا سر چوما۔ (تفسیر کبیر، درمنثور)

اس پر چند لوگ جو جان بوجھ کر انکار کر رہے ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں، وہ محض حسد اور ضد کی بنا پر ایسا کر رہے ہیں۔قبلہ شریف کا بدل جانا تیرے رب کی طرف سے برحق ہے (اے مخاطب) شک کرنے والوں میں نہ ہو جانا۔اس آیہ مبارکہ میں حضور ﷺ کی پہچان کو بیٹوں سے مثال دی گئی ہے، ماں باپ سے نہیں کہ بیٹوں کے جسم کے ہر حصہ کو والدین اچھی طرح جانتے ہیں کہ بچپن سے پرورش کی ہے اس کے بر عکس بیٹوں کو اپنے والدین کی پہچان کی یہ صورت نہیں۔

وَصلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدَدِ خَلْقِہٖ

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۚ
أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ
اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٤٨﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ
فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ
لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٩﴾

صدق اللہ العظیم

اور ہر ایک کیلئے ایک سمت ہے جس کی طرف (وہ نماز میں) منہ کرتا ہے۔سو تم نیکیوں میں دوسروں سے آگے نکلو، جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تم سب کو لے آئے گا بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۱۴۸) (اے محبوب ﷺ) آپ جہاں سے بھی باہر نکلیں تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور بے شک یہ (قبلہ کا بدلنا) آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں۔(۱۴۹)

تفسیر

پچھلی آیہ مبارکہ میں تھا کہ اہل کتاب اس قبلہ کو نہیں مانیں گے اب ایمانداروں سے فرمایا جا رہا ہے، یہود و نصاریٰ کو اکٹھا کرنے کی کوشش میں اپنا وقت ضائع نہ کرو ہر قوم کیلئے ایک سمت ہے وہ اسی پر لگا ہوا ہے

ایماندارو تم ایسے اختلافات سے بچو ہر ایک کا اپنا رخ ہے اپنا مزاج ہے، اپنا نظریہ ہے۔ تمہیں چاہئے نیکیوں میں ایک دوسرے سے پہل کرو۔ اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے نیکی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کام کرنا بہت کار ثواب ہے ۔ ہر ایک قوم کا قبلہ الگ الگ ہے ۔ انبیاء بنی اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس ہے۔ حضور ﷺ کا قبلہ کعبہ ہے۔ روحوں کا قبلہ سدرۃ المنتہٰی ہے۔ (عزیزی)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سبھی کو اکٹھا فرمادے گا اور اس پر وہ قادر ہے، آیہ نمبر (۱۴۹) میں فرمایا گیا ہے تم جہاں جا کر نماز پڑھو اپنا رخ کعبہ کی طرف کرو اور یہ تحویل قبلہ تیرے رب کی طرف سے برحق ہے ۔ اور تمہارے کئے سے اللہ تعالیٰ غافل نہیں ۔ سفر میں ہو یا حضر میں، اپنا منہ مسجد حرام کی جانب کیجئے ۔ امام مسلم نے اپنی کتاب مسلم شریف میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔ آپ نے فرمایا ہمیں باقی امتوں سے تین طرح کی فضیلت سے سرفراز کیا گیا ہے۔

(۱) ہماری نماز میں جماعت کا اہتمام ملائکہ کی طرح ہے۔

(۲) پوری روئے زمین ہمارے لئے مسجد ہے۔

(۳) زمین کی مٹی ہمارے لئے پاک کرنے والی بنادی گئی، پانی نہ ہو یا نقصان پہنچنے کی صورت میں تیمّم کا حکم دیدیا گیا ہے۔ (مظہری)

مذکورہ آیات میں تحویل قبلہ کے الفاظ ''**فول وجھک شطر المسجد الحرام**'' تین مرتبہ آئے ہیں اور ''**وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم**'' دو مرتبہ۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر یہ حکم تاکیدات کے ساتھ، بہ تکرار نہ لایا جاتا تو دلوں کا اطمینان وسکون آسان نہ ہوتا۔

وَصلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدِدِ خَلْقِہٖ

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾

صدق اللہ العظیم

اور جہاں سے آپ نکلیں تو اپنا رخ (نماز کے وقت) مسجد حرام کی طرف موڑ لیں (اے مسلمانوں) تم جہاں کہیں ہو تو اپنا رخ اس کی طرف پھیر لیا کرو۔ تا کہ لوگوں کو تم پر اعتراض نہ رہے مگر ان لوگوں کے سوا جو اُن سے ناانصافی کریں پس اُن سے نہ ڈرو، مُجھ سے ہی ڈرو تا کہ میں اپنا انعام تم پر پورا کردوں تا کہ تم سیدھی راہ پر ثابت قدم رہو۔ (۱۵۰)

تفسیر

تحویل قبلہ کی تیسری حکمت فرمائی جارہی ہے کہ آپ جس جگہ سے بھی سفر میں باہر جائیں اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف رکھئے اور تمام مسلمان بھی سن لیں تم جہاں کہیں موجود ہو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف رکھا کرو۔ یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے تا کہ مخالف لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں گفتگو کی مجال نہ رہے کہ اگر محمد (ﷺ) وہی نبی ہوتے تو ان کی علامات میں تو یہ بھی ہے کہ ان کا اصلی قبلہ کعبہ ہوگا اور یہ تو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔

مگر ان میں جو غیر منصف ہیں وہ اب بھی بے معنی بحث کریں گے کہ یہ کیسے نبی ہیں جو اتنے نبیوں کے خلاف کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں مگر ان لوگوں سے دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تو ایسے لوگوں سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان کے اعتراضات کے جوابات میں پڑنے کی ضرورت نہیں اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو کہ میرے احکام کی مخالفت نہ ہو اور یہی مخالفت تمہیں نقصان دہ ہے۔ اور ہم نے تمام احکام پر مذکورہ ہر عمل کرنے کی توفیق بھی دی ہے۔ تا کہ جو کچھ میرا انعام و اکرام ہے تمہیں دے کر، بہشت

میں داخل کر کے اس کی تکمیل کر دوں اور تم ثابت قدم رہو۔اس نعمت سے مراد امامت و پیشوائی کی نعمت ہے جو بنی اسرائیل سے سلب کر کے اس امت کو دیدی گئی تھی۔اس منصب دینے سے اللہ کے فضل کی تکمیل ہو گئی یہ تحویل قبلہ تمہاری سرفرازی کا نشان ہے۔اس لئے بھی ہمارے حکم کی اطاعت کرنی چاہئے کہ کہیں ناشکری کے سبب اس منصب سے محروم نہ ہو جاؤ۔

وَصلَّى اللّٰـهُ تَعَالىٰ عَلىٰ حَبِيْبِـهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

كَمَآ أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ ءَايَٰتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾ فَاذْكُرُونِىٓ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِى وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾

صدق اللہ العظیم

اس طرح ہم نے تم میں تمہیں سے ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت کرتا ہے اور تمہاری باطنی اصلاح کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ چیزیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے (۱۵۱) سو مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور تم میرا شکر ادا کرتے رہو اور میری ناشکری نہ کرو۔(۱۵۲)

تفسیر

یہاں تک تحویل قبلہ کی بحث تھی اب اسے اس مضمون پر ختم فرمایا جا رہا ہے جو اس بحث کے شروع میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں ضمناً آیا تھا جیسے ہم نے تمہارے اندر عظیم شان والے رسول ﷺ کو بھیج کر نعمت بخشی جو تم پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہے اور وہ رسول تمہیں پاک بھی کرتا ہے کتاب بھی سکھاتا ہے حکمت بتاتا ہے، جو کچھ تم نہیں جانتے وہ تمہیں سکھاتا ہے جیسے ان انعامات سے نوازا گیا قبلہ کی نعمت بھی بخشی گئی حضور ﷺ کی بعثت نعمت الٰہیہ ہے ایسی ہی نعمت ''ذکر اللہ'' بھی ہے ان تمام انعامات کا شکر یہ ادا کرو تا کہ یہ

نعمتیں اور زیادہ ہوں اور میرا شکر ادا کرو، ناشکری سے بچو۔

ذکر کا معنیٰ ''یاد کرنا'' اس کا تعلق دل سے ہے۔ زبان سے ذکر کرنے کو بھی ذکر اس لئے کہا جاتا ہے کہ زبان دل کی ترجمان ہے ذکر کی بہترین صورت یہی ہے کہ زبان کے ذکر کے ساتھ دل بھی اللہ کی یاد میں ہو اگر بالفرض زبان سے ذکر جاری ہے مگر دل ساتھ نہیں دے رہا تو فائدہ پھر بھی ہے۔

حضرت ابو عثمان نہندیؒ سے پوچھا گیا ہم زبان سے ذکر کرتے ہیں مگر دل ذوق محسوس نہیں کرتا، آپ نے فرمایا پھر بھی اللہ کا شکر کرو کہ اس نے تمہاری زبان کو اپنی اطاعت میں لگا دیا ہے۔ حضرت ابو عثمان نہندیؒ فرماتے ہیں مجھے پتہ چل جاتا ہے جب اللہ ہمیں یاد کرتا ہے عرض کی گئی وہ کیسے فرمایا قرآن مقدس فرماتا ہے تم مجھے جب بھی یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ جب بندہ یاد کرتا ہے تو اللہ بھی یاد فرماتا ہے۔ معنیٰ یہ ہوا تم مجھے اطاعت احکام کے ساتھ یاد کرو میں تمہیں ثواب اور مغفرت کے ساتھ یاد کروں گا۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''ذکر اللہ'' کی تفسیر اطاعت اور فرمانبرادری سے ہی کی ہے قرطبی نے بحوالہ احکام القرآن ایک حدیث شریف نقل کی ہے حضور ﷺ نے فرمایا جس نے اللہ کی اطاعت کی اس نے اللہ کو یاد کیا اگرچہ اس کے اعمال صالحہ نماز نفل کم ہوگئی اور جس نے اللہ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کو بھلا دیا اگرچہ بظاہر نماز، روزہ، تسبیحات زیادہ ہوں حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دلانے کے لئے ذکر اللہ سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں اللہ کا ذکر دل کو پاک صاف کر دیتا ہے اور یہ عمل دل کے لئے رحمت کا پانی ہے اللہ کا ذکر کرنے والوں کو فرشتے اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ ذکر کے حلقے جنت کے باغ ہیں اللہ کا ذکر کرنے والے قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے قرآن مقدس نے فرمایا، یاد الٰہی سے دلوں کو سکون ملتا ہے ذکر الٰہی کی کئی قسمیں ہیں آیات مقدسہ احادیث مبارکہ تسبیح وتہلیل کا پڑھنا زبان کو تازہ کرتا ہے۔ اللہ کی ذات وصفات میں غور کرنا دل

کاذکرکرناہے اپنے اعضاءکوبرائیوں سے بچائے رکھنا،ارکان کاذکر ہے پھرذکراللہ بلاواسطہ بھی ہے کہ اس کی حمدوثناء،تسبیح وتہلیل میں مصروف ہے اور بالواسطہ بھی ہے اس کے محبوب بندوں کا ذکر،انبیاءعلیہم السلام کے واقعات،درودشریف کی تلاوت یہ سارے اموذکراللہ ہیں مگر بالواسطہ ہیں۔سودنیامیں ذکراللہ کرنے میں مختلف نظریات ہیں۔نقشبندی سلسلہ میں ذکراللہ آہستہ کواہمیت ہے باقی سلاسل میں اونچی آوازسے ذکراللہ کوترجیح ہے

وَصلَّی اللّٰـہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِـہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدِدِ خَلْقِہٖ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝

صدق اللہ العظیم

اے ایمان والوصبر اورنماز سے مدد حاصل کروبے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے (۱۵۳) اورجو اللہ کی راہ میں شہید ہوجائیں انہیں مردہ نہ کہوبلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں خبر نہیں(۱۵۴)

تفسیر

آیہ(۱۵۳) سے پہلی آیہ میں ذکروشکرکاحکم تھا،ناشکری سے روکا گیاتھا کیونکہ اس حکم پرعمل ایک واضح مشکل کام ہےتوحکم دیاگیاکہ اس ضمن میں تمہاری کامیابی کی صورت یہ ہے کہ صبرونماز سے تعاون حاصل کرو۔’’ استعینوا ‘‘ کے معنی ہیں’’استعانت حاصل کرو‘‘مددچاہو۔جسم کامشقتیں برداشت کرنا بھی صبر ہےاورجان کابرائیوں سے روکنا بھی صبر ہے۔صبرونماز سے بھی مددچاہومگرصبراہمیت کاحامل ہے مشکلات پرقابوپانے کے لئےصبرونمازکاعمل بہترین ہتھیارہے استعینوا کاحکم عام ہے جس مشکل،جس تکلیف جس دکھ سے پریشانی ہونمازاورصبرسے استعانت حاصل کرو۔صبرکےمعنی نفس کوروکنےاوراس پرقابوپانے کے ہیں۔اپنےنفس کوحرام سے روکنا بھی صبرہے،نفس کواطاعت وعبادات کی پابندی پرمجبورکرنا بھی صبر ہے

مصائب وآفات پر ہمت، حوصلہ، برداشت بھی صبر ہے البتہ دعا التجا صبر کے منافی نہیں صبر کی یہ تینوں صورتیں عمل میں لانے والے کامل صابرین ہیں۔

قیامت کے دن ندا دی جائے گی صابرین کہاں ہیں؟ وہ لوگ جو تینوں قسم کے صبر پر قائم رہ کر زندگی گزار گئے وہ کھڑے ہو جائیں گے اور بغیر حساب کے جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ اس کامل نسخہ کا دوسرا حصہ نماز ہے اور اصل نماز اور تمام عبادات صبر سے ہی کامیاب ہوتی ہیں۔ نماز کو مشکلات میں نجات دلانے میں خاص تعلق بھی ہے۔ حضور ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی جب کوئی مہم پیش آتی تو نماز کی طرف رجوع کرتے اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مشکل کو حل فرما دیتا۔ حدیث شریف میں ہے ''اذا حزبہ فزع الی الصلوۃ'' آپ کو جب کبھی کوئی ضرورت پیش آتی تو نماز کی طرف رجوع فرمایا کرتے تھے۔

صبر کے ساتھ مدد کا مسئلہ تو واضح طور پر سمجھ آتا ہے کہ اللہ صابروں کے ساتھ ہے ظاہر ہے جس کے ساتھ اللہ کی قوت وطاقت ہو وہ کیسے ناکام ہو سکتا ہے۔ صبر کا حکم دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کعبہ کو قبلہ بنانے پر یہودی اعتراضات کرتے تھے طعنے دیتے تھے اس پر صبر کا حکم دیا گیا، دوسری وجہ یہ ہے کہ ذکر وشکر کا حکم دیا گیا جو مشقت ومحنت سے انجام پاتا ہے اس پر صبر کا حکم فرمایا گیا ہے ایک صورت یہ بھی ہے کہ انعامات الٰہیہ پر شکر کا حکم دیا گیا ہے خدانخواستہ یہ انعامات زائل ہو جائیں تو یہ ایک عظیم مصیبت ہوگی اس پر صبر کر کے برداشت کرنا۔

آیہ نمبر (۱۵۴) کا شانِ نزول اس طرح ہے: جنگ بدر اسلام کی پہلی جنگ ہے جس میں 14 مسلمان شہید ہوئے تھے مسلمانوں کی تعداد 313 تھی جبکہ کفار 1000 تھے مسلمان بے سروسامان تھے کفار پوری طرح اسلحہ سے لیس تھے۔ 14 مسلمانوں کی شہادت پر کفار و منافقین نے کہا یہ لوگ بے عقل ہیں ساز وسامان ہوتا ہے نہیں طاقتور لوگوں سے ٹکرا کر مر جاتے ہیں اور جانیں برباد کرتے ہیں ان لوگوں کی تردید میں یہ حکم نازل ہوا اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں مگر تمہیں شعور نہیں، ایک لمحہ کے لئے اُن پر موت طاری ہوئی مگر پھر انہیں ابدی زندگی بخش دی گئی۔

دوسری جگہ پر قرآن مقدس نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو مردہ گمان بھی نہ کرو، وہ زندہ ہیں۔ شہید کو شہید کہنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اسے جنت کی شہادت دی گئی ہے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ فرشتے اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کی روح فوراً جنت میں حاضر ہو جاتی ہے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ شہید اپنی جان اللہ کی راہ میں دے کر اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اس نے اپنے رب سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا ہے۔

وَصلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدَدِ خَلْقِہٖ

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ
وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۗ وَ
بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ
مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝
اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝

صدق اللہ العظیم

اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں کسی ایک چیز کے ساتھ خوف، بھوک، مالوں، جانوں اور پھلوں کی کمی کے ساتھ، صابروں کو خوشخبری سنا دیجئے (۱۵۵) جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں بے شک ہم صرف اللہ کے لئے ہی ہیں اور یقیناً ہم اللہ کی طرف ہی لوٹنے والے ہیں (۱۵۶) یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے انعامات اور رحمت ہے اور یہی لوگ سیدھی راہ پر ثابت قدم ہیں۔ (۱۵۷)

تفسیر

اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مشکلات پریشانیوں اور مصیبتوں میں صبر ہمت کے ساتھ ان دکھوں کو برداشت کر کے اپنی رضا پر راضی رہنے کا درس دیا ہے اور ایسے لوگوں کا محبت سے ذکر کیا ہے، ان پر نوازشات انعامات کی بارش کا ذکر فرمایا ہے۔ اس آیہ مبارکہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اسلام

ایمان کے ہوتے ہوئے یہ تصور کرنا کہ اس کا اسلام اور ایمان درست ہوتا تو یہ مشکلات نہ ہوتیں، غلط بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشکلات ومصائب کو برداشت کرنے کا راستہ بتایا کہ یہ لوگ جو ڈر، بھوک، مالوں کی کمی، جانوں کے نقصان، پھلوں کی بربادی ایسے نقصانات میں مبتلا ہوگئے وہ صبر وہمت کے ساتھ ان کو برداشت کریں اور اللہ کی بارگاہ سے عظیم اجر کے حق دار بنیں، ایسے لوگوں کو ہی اللہ تعالیٰ نے حق پر ثابت قدم فرمایا ہے۔ یہ تعلیم اس لئے بھی ہے کہ کفار مسلمانوں کی ثابت قدمی کو دیکھ کر اسلام کی صداقت کے قائل ہوں اس لئے بھی ہے کہ مومن اور منافق کا فرق واضح ہوجائے کہ مومن مشکلات میں ثابت قدم اور باہمت ہوتا ہے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتا ہے۔ منافق کی صورت اس سے مختلف ہے اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے مومن کے لئے خوف، بھوک، مالوں کی کمی اور جانوں کے نقصان کے ذکر کے ساتھ ہی ان پریشانیوں کا حل بھی فرمادیا ہے کہ وہ لوگ'' انالِلّٰہ وانا الیہ راجعون '' کہہ کر حوصلہ بھی پالیتے ہیں اور نقصان ہونے پر سمجھ لیتے ہیں کہ جس نے دیا تھا اسی نے لیا ہے، جب یہ عقیدہ ہوگا کہ میرا مال سب کچھ اللہ کی عطا ہے۔ حقیقتاً وہی مالک ہے جب چاہے جسے چاہے دیدے جب چاہے جس سے چاہے لے لے۔ ہم سب اسی کی طرف جانے والے ہیں اور یہاں دنیا میں ہمیشہ ٹھہرنا نہیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادہ کے انتقال پر حضور ﷺ نے انہیں تعزیت نامہ لکھا جس کا مضمون یہ تھا'' اے معاذ تمہارے بیٹے کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے ثواب کے عوض لے لیا ہے اور وہ اجر صلٰوۃ ہے اور رحمت ہے اور ہدایت ہے۔''

ترمذی شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ دنیا کے مصیبت زدوں کو ثواب دے گا تو دنیا کے آرام یافتہ لوگ یہ خواہش کریں گے کہ کاش ہماری کھال اُدھیڑ دی جاتی اور یہ تمام نعمتیں ہمیں ملتیں۔ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے حضور ﷺ نے فرمایا مسلمان کو جو رنج وغم پہنچتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کے بدلہ میں گناہ معاف فرمادیتا ہے۔ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضور ﷺ کی یہ عطا کردہ دعا میں پڑھتی رہتی تھی جب میرے شوہر (ابوسلمہ) کا انتقال ہوا تو میرے دل

میں یہ خیال گزرا کہ ابو سلمہ سے بہتر کون ہوگا؟ جن کے گھر نے سب سے پہلے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کی تھی بہر حال میں یہ دعا پڑھتی رہی اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں میرا عقد رسول اللہ ﷺ سے فرما دیا۔ (مسلم شریف)

حضور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں حضور ﷺ نے فرمایا جس شخص کو مصیبت پہنچتی ہے اور پھر وہ یہ کہتا ہے ''اللھم اجرنی مصیبتی واخلف لی خیراً منھا'' تو اللہ تعالیٰ اسے ثواب دیتا ہے اور بہتر عوض عطا فرماتا ہے (مظہری)

''ولنبلونکم'' کے خطاب سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ دنیا دکھوں مصیبتوں کا گھر ہے اس میں جتنے دن قیام ہو حوصلے، صبر اور استقامت سے ہو۔ سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میں اپنے بندوں میں سے کسی کو مالی بدنی مصیبت بھیجتا ہوں اور وہ اس پر صبر جمیل کرتا ہے تو میں قیامت کے دن اس کے لئے میزان قائم کرنے سے حیاء کرتا ہوں۔ (التبیان)

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلىٰ حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ

صدق اللہ العظیم

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا اس کیلئے دونوں کا طواف (سعی) کرنے میں کوئی حرج نہیں اور بے شک جس نے خوشی سے کوئی نیکی کی تو بے شک اللہ تعالیٰ جزا دینے والا ہے اور خوب جاننے والا ہے۔ (۱۵۸)

تفسیر

’’صفااورمروہ‘‘ کعبۃ اللہ شریف کے سامنے دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان طواف کعبہ کے بعدسات چکرلگانے کوحج اورعمرہ میں لازم قرار دیا گیا ہے۔صفا کے معنی ہیں’’خالص‘‘اورمروہ کے معنی ہیں ’’چھوٹے چھوٹے پتھر‘‘یا صفا کو صفا اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس پر سیدنا آدم صفی اللہ علیہ السلام بیٹھے تھے اورمروہ کواس لئے مروہ کہا جاتا ہے کہ اس پران کی بیوی حضرت حواعلیہ السلام بیٹھی تھیں۔

اس آیہ مبارکہ کا شان نزول یہ ہے کہ ایک شخص تھا اساف اورایک خاتون تھی نائلہ،انہوں نے خانہ کعبہ میں ایک دوسرے کو بدنیتی سے ہاتھ لگایا توان پرعذاب الٰہی نازل ہوا اوردونوں پتھر ہوگئے تولوگوں کی عبرت کے لئے اساف کوصفاپررکھ دیا گیااورنائلہ کومروہ پر،تاکہ لوگ ان کے گناہ کے سبب ان کے پتھر ہوجانے سے ڈریں اور یہاں ایسے خیالات سے بھی بچیں۔مگرایک زمانہ گزرنے کے بعد جہالت کے دور میں ان کی پرستش شروع ہوگئی جب لوگ صفا اورمروہ کے درمیان سعی کرتے توتعظیم کےطورپران پتھروں کوبھی مس کرلیتے۔مسلمان جب مدینہ منورہ حاضرہوئے توانہیں صفاومروہ کے درمیان دوڑ ناپسند نہ آیا کہ اس میں اساف اورنائلہ کی عظمت کی جاتی تھی اوریہ عمل بت پرستی کے مشابہ تھا تب یہ حکم نازل ہوا کہ تمہاراسعی کرنا اللہ کی رضا کے لئے ہے،تم اس میں گناہ نہ سمجھو(تفسیرعزیزی)

حج کا لغوی معنی’’قصد‘‘کا آتا ہے اورشرعی معنی ہے’’بیت اللہ شریف کی زیارت کا قصدکرنا‘‘۔بعض نے کہاحج کامعنی’’مونڈنے‘‘کابھی ہے کہ حاجی کے گناہ اس طرح گرجاتے ہیں جیسے حجامت سے بال گرجاتے ہیں۔(تفسیرکبیر)

عمرہ کامعنی ہے’’آبادکرنا‘‘زندگی کوبھی اس لئے عمرکہا جاتا ہے کہ بدن روح سے آباد رہتا ہے۔حج اورعمرہ میں فرق یہ ہے کہ حج کے خاص دن ہیں جبکہ عمرہ سال بھرمیں کیاجاسکتا ہے البتہ حج کے پانچ دنوں میں نہیں۔حج میں منیٰ،عرفات،مزدلفہ کے میدانوں کی حاضری ہوتی ہے جبکہ عمرہ میں یہ نہیں۔

اس آیہ مبارکہ میں مسلمانوں سے فرمایا گیا ہے، اساف اور نائلہ کی وجہ سے صفا و مروہ کی سعی نہ چھوڑو، یہ دونوں پہاڑیاں تو نشانات قدرت ہیں یہاں پر کفار کی بت پرستی تو بعد کی شے ہے یہ پہاڑیاں تو شروع سے نشانات قدرت ہیں اگر خانہ کعبہ میں بت تھے تو خانہ کعبہ کی عظمت میں فرق نہیں آیا تو اساف اور نائلہ کے چند دن یہاں رہنے سے ان پہاڑیوں کی عظمت میں کیا فرق آئے گا۔ مسلمانوں کے ناگوار جاننے کو حکمت سے دور کیا گیا کہ تم نے تو سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کی سنت ادا کرنا ہے ان بتوں کی وجہ سے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کی سنت تو ترک نہیں کی جاسکتی۔

حضور ﷺ نے اس پر عمل کیا ہے تمہارے لئے تو محبوب پاک ﷺ کی اتباع ہے یہ سعی واجب ہے اس کے چھوڑنے سے ایک جانور ذبح کرنا کفارہ ہے۔ امام مالک اور امام شافعی اس سعی کو فرض فرماتے ہیں دور جاہلیت میں ان پہاڑیوں پر اساف اور نائلہ کو رکھنے اور ان کی پرستش سے سنت ابراہیمی میں نقص نہیں آسکتا کوئی جاہلانہ کام اس کی عظمت کو ختم نہیں کرسکتا۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلىٰ حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدِدِ خَلْقِهٖ

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ
وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي
الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ
اللَّاعِنُونَ ﴿١٥٩﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا
فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾

صدق اللہ العظیم

جو لوگ ہمارے نازل کئے ہوئے روشن دلائل اور ہدایت کو چھپاتے ہیں جب کہ ہم ان لوگوں کے لئے کتاب میں بیان کر چکے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت فرماتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں (۱۵۹) مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور (چھپائی ہوئی باتوں کو) ظاہر کر دیا تو ان لوگوں کی میں توبہ قبول کرتا ہوں اور میں توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان ہوں۔ (۱۶۰)

تفسیر

دلائل اور ہدایت کو چھپانے والوں سے مراد یہود ونصاریٰ کے علماء ہیں جو حضور ﷺ کی نبوت اور آپ کے دین کو چھپاتے تھے۔ تورات وانجیل میں لکھے گئے اوصاف وکمالات پر پردہ ڈالتے تھے۔

اس آیہ مبارکہ کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت حارثہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کئی دوسرے ساتھیوں نے علماء یہود سے پوچھا کہ تورات میں حضور ﷺ کے متعلق کیا لکھا ہوا ہے؟ تو انہوں نے اسے چھپایا اور بتانے سے انکار کر دیا تو یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی یہ چھپانے والے لوگ یہود کے سرکردہ افراد تھے۔ زید بن تابوت ابن صوریا، کعب بن اسد، کعب بن اشرف وغیرہ۔ اگرچہ یہ آیہ مبارکہ ان چند لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے مگر اس کا حکم عام ہے۔ جو شخص بھی دین چھپانے کا کام کرے گا وہ لعنت کا حق دار ہوگا۔ حق بات کو چھپانے کی مذمت روایات واحادیث میں واضح ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا جس سے علم کا سوال کیا گیا اور اس نے چھپایا قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی عالم کو چاہئے کہ وہ علم پھیلانے کے سلسلہ میں کوتاہی نہ کرے جہاں تک ممکن ہو سکے ظاہر کرے یہاں تک کہ اسے مشقت ہی کیوں نہ اٹھانی پڑے۔ علم چھپانے والوں پر لعنت کرنے والوں سے مراد فرشتے ہیں یا جن وانسان ہیں یا ان کے علاوہ حیوانات وحشرات الارض ہیں جو لعنت کرتے ہیں اور کہتے ہیں اولاد آدم کے گناہوں کی وجہ سے ہم بارش سے محروم ہو گئے

بنی اسرائیل کا حضور ﷺ کے ذکر کو چھپانا اس طرح تھا کہ چھپاتے بھی تھے تو اس کی جگہ بدل کر دوسری چیز بھی رکھ دیتے تھے اس آیہ مبارکہ سے پتا چلتا ہے دینی معاملات کو چھپانا شدید جرم ہے اور یہ یہود کی صفات میں سے ہے، ایسا آدمی لعنت کا حق دار ہے۔ درمنثور میں ابن جریر سے روایت ہے کہ قیامت کے دن کافر کو کھڑا کیا جائے گا پہلے اللہ اس پر لعنت فرمائے گا پھر فرشتے، پھر تمام لوگ۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٦١﴾ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿١٦٢﴾ وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٣﴾

صدق اللہ العظیم

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا وہ حالت کفر میں مر گئے یہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی (۱۶۱) وہ اس (لعنت) میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے نہ ان سے عذاب کم کیا جائے گا نہ ان کو مہلت دی جائے گی (۱۶۲) تمہارا معبود ایک معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ نہایت رحم فرمانے والا اور بہت مہربان ہے۔ (۱۶۳)

تفسیر

کافر کا معنیٰ ''چھپانا'' کافر کو کافر اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ حق کو چھپاتا ہے۔ عرب کے لوگ گاڑی کے ٹائر کو بھی کفرہ کہتے ہیں کہ وہ ٹیوب کو چھپائے ہوتا ہے، کافور میں بھی یہی صورت دکھائی دیتی ہے کہ اس کی مہک تمام خوشبوؤں کو ڈھانپ لیتی ہے۔ حق چھپانے والوں پر اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے اور سبھی انسان لعنت بھیجتے ہیں اور یہ لعنت کا عذاب ان پر کبھی ہلکا نہ ہوگا اور نہ انہیں مہلت ملے گی۔

اس آیہ مبارکہ سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ حق کا واضح کرنا پھیلانا واجب ہے اور اس کا چھپانا بدترین جرم ہے۔ آیہ نمبر ۱۵۹، ۱۶۰ میں حق کے چھپانے کی وعید ہے جس بات کا علم ہے اسے چھپانا بدترین جرم ہے۔ یہود و نصاریٰ کو اچھی طرح علم تھا کہ حضور ﷺ اللہ کے آخری اور سچے رسول ہیں جیسے گزشتہ آیہ میں ارشاد ہے کہ وہ حضور ﷺ کو اس طرح پہچانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں ایسے علم کو چھپانے کی وعید حدیث شریف میں اس طرح وارد ہے ''من سئل عن علم يعلمه فكتمه الجمه الله يوم

القیامۃ بلجام من النار (ابن ماجہ) یعنی جو کوئی دین کا علم رکھتا ہے اور اس سے وہ پوچھا جائے اگر وہ اسے چھپائے گا تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔

ہاں شریعت مطہرہ کا کوئی ایسا مسئلہ جو عام لوگوں کی سمجھ سے باہر ہو اُسے بیان نہ کیا جائے تو علم چھپانے کی اس وعید میں نہیں آئے گا۔ صحیح بخاری شریف میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ملتی ہے کہ عام لوگوں کے سامنے صرف اتنے ہی علم کا اظہار کرو جسے وہ سمجھ سکیں اگر وہ نہ سمجھ سکیں تو ان کے دلوں میں شبہات پیدا ہوں گے اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب ہوگی۔

اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عالم کی ذمہ داریوں میں ایک اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ مخاطب کے حالات کا اندازہ لگا کر بات کرے اور جس شخص کے غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو اس کے سامنے ایسے باریک، دقیق مسائل بیان ہی نہ کرے اور ایک اور ارشاد گرامی میں اس عنوان کا ذکر اس طرح ملتا ہے ''لا تمنعوا الحکمۃ اھلھا فتظلموھم فلا تضعوھا فی غیر اھلھا او کما قال ﷺ'' یعنی حکمت کی بات کو ایسے لوگوں سے نہ روکو جو اس بات کے اہل ہوں اگر تم نے ایسا کیا تو ان پر زیادتی ہوگی اور جو اہل نہیں ان کے سامنے حکمت کی باتیں نہ کہو کہ اس صورت میں اس حکمت پر زیادتی ہوگی۔

اس آیہ مبارکہ میں واضح ہے کہ جس کے کفر کا یقین نہ ہو، اُس پر لعنت نہ بھیجی جائے جیسے ''وماتوا وھم کفار'' کا ارشاد موجود ہے۔ آیہ نمبر 163 میں اللہ تعالیٰ جل مجدہ کی توحید کا واضح اور کھلا ذکر ہے اس لفظ واحد میں توحید کی ساری صورتیں سمٹی دکھائی دے رہی ہیں، اللہ تعالیٰ اس لحاظ سے بھی ''ایک'' ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں، کوئی برابر نہیں، اس لحاظ سے بھی ایک ہے کہ اُس کے سوا عبادت میں کوئی دوسرا مستحق نہیں وہی عبادت کے لائق ہے، اس لحاظ سے بھی ایک ہے کہ وہ اجزا سے، اعضاء سے پاک ہے۔ واحد ہونے کے ذکر کے بعد فرمایا گیا وہ رحمان و رحیم ہے کہ اس کی صفات طیبات میں صفت رحمت کا غلبہ نمایاں دکھائی دیتا ہے جیسے کہ ارشاد گرامی ''رحمتی وسعت کل شئی'' میری رحمت ہر شے پر غالب ہے۔

وَصلَّى اللّٰـهُ تَعَالىٰ عَلىٰ حَبِيبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۶۴﴾

صدق اللّٰہ العظیم

بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں اور ان کشتیوں میں جو لوگوں کے نفع کی چیزیں لئے ہوئے سمندر میں چلتی ہیں اور اس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے اتارا پھر اس سے مردہ زمین کو زندہ کیا اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور ہواؤں کے پھیرنے میں اور بادلوں میں جو زمین و آسمان کے درمیان تابع ہیں ان سب میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔(۱۶۴)

تفسیر

پہلی آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے واحد اور معبود ہونے کا ذکر ہے۔ان آیات مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خالق و مالک اور واحد ہونے کے دلائل ارشاد فرمائے ہیں۔آسمان کے پیدا کرنے میں اس کے خالق ہونے کی دلیل اس طرح ہے کہ اسقدر بڑا وسیع شامیانہ بغیر ستونوں کے قائم ہے اور نہ ہی اوپر کسی شے سے لٹکا ہوا ہے اتنا بڑا زبردست کارنامہ اس کے خالق ہونے کی واضح دلیل ہے، زمین کا وجود اس کے خالق ہونے کی دلیل ہے کہ زمین نے کس طرح پہاڑوں، دریاؤں اور سمندروں کے وزن کو اٹھا رکھا ہے زمین پر کھیتیوں کا وجود، باغات کی بہار، جنگلات کی کثرت یہ سب کچھ بتاتا ہے، کہ بنانے والا اللہ ہے جو قادر ہے کریم ہے۔سمندروں میں کشتیوں کا ہزاروں ٹن وزن اٹھائے تیرنا، یہ عظیم نشانات ہیں کہ لوگوں کو ایک سے دوسرے کنارے تک پہنچانا نشان قدرت ہے۔بحری جہازوں کا پانی پر چلنا، ہزاروں من لوہے کا پانی پر

تیرنا یہ سارا نظام الوہیت پر دلالت کرتا ہے۔ بارش کا آسمانوں سے اترنا نشان قدرت ہے کہ کس طرح سے قدرت نے بخارات کو جمع فرمایا اور مردہ زمین پر برسا کر اس کے اندر حیات بخشی۔ کھیتیاں، سبزیاں پھلوں کی بہتات، باغات کی کثرت یہ نشانات قدرت ہیں۔ زمین پر حشرات الارض، جانوروں، انسانوں کو قیام کا موقع بخشا اور کچھ حیوانات کو انسانوں کی خوراک کے لئے پیدا فرما کر انہیں انسانوں کے لئے حلال قرار دیا، ان کے رزق کا سامان بنایا، کچھ جانوروں کو انسانی خدمت کے لئے بوجھ اٹھانے اور سواری کے لئے پیدا فرمایا۔ ہواؤں کے چلنے میں نشانات قدرت ہیں، بادلوں کے اُٹھنے اور برسنے میں نشانات قدرت ہیں یہ سارا نظام انسانوں کی زندگی کو بہتر بنانے اور کاموں میں مصروف رکھنے کے لئے عظیم کارنامہ ہے جو اس کے وحدہ لاشریک ہونے پر واضح دلیل ہے۔

الغرض اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر علامات و دلائل بتائے گئے ہیں۔ جنہیں ہر عالم جاہل آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ زمین و آسمان کی تخلیق دن رات کے انقلابات یہ سب نشانات قدرت ہیں اس آیہ مبارکہ میں رب قدوس جل مجدہ کی قدرت کی متعدد نشانیوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ زمین و آسمان کی تخلیق رات دن کی تبدیلی، کشتیوں کا دریاؤں میں تیرنا، بارش کا اترنا، زمین کی حیات، جانوروں کا ہونا ہواؤں کا چلنا، بادلوں کا تابع فرماں ہونا یہ ہر ایک نشانی ہزاروں نشانات اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اس عنوان پر مزید معلومات کے لئے تفسیر کبیر کا مطالعہ مفید ہوگا۔

وَصلَّى اللّٰـهُ تَعَالىٰ عَلىٰ حَبِيْبِـهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِـهٖ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا
اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا
اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ
وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾

صدق اللہ العظیم

بعض لوگ اللہ کے غیر کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں اوران سے اللہ جیسی محبت کرتے ہیں اور وہ لوگ جو ایمان لے آتے ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں اگر یہ لوگ (دنیا میں اس عذاب) کو دیکھ لیں جس عذاب کو قیامت کے دن دیکھیں گے (تو مان جاتے) کہ ساری طاقت اللہ ہی کے لئے ہے اور بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔(۱۶۵)

تفسیر

اس سے پہلی آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے قادر ہونے اور وحدہ لاشریک ہونے پر دلائل ارشاد فرمائے اب اس ارشاد میں فرمایا جارہا ہے کہ میری قدرت کے کمالات اور واضح دلائل کے ہوتے ہوئے بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں انہیں چاہئے تھا کہ وہ خالق و مالک کی عبادت کرتے مگر انہوں نے بتوں کی پرستش شروع کردی اوران کے ساتھ ایسی محبت شروع کی جیسے مومن اللہ سے محبت کرتے ہیں۔اس انداز سے مراد اُن کے گمراہ کرنے والے کفار و مشرکین ہی ہیں جو انہیں اللہ سے دور رکھتے ہیں اور فرمایا جس قدر مشرکین بتوں سے محبت کرتے ہیں ایماندار اس سے کہیں زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں اوراس کی تعظیم کرتے ہیں اگر یہ ظالم مشرک قیامت کے دن کا عذاب دیکھ لیں تو یقین کرلیں گے تمام قدرت اللہ ہی کے لئے ہے اور بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

اس آیہ کریمہ کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے اگر یہ ظالم لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت اوراس کے عذاب کی شدت

کوجان لیتے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے ۔ یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ یہ ظالم دنیا میں آخرت کو ہونے والے عذاب کو دیکھ لیتے ، تو جان لیتے کہ تمام قوت اللہ ہی کیلئے ہے ۔ یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ اگر یہ ظالم اللہ کی قدرت اور اس کے عذاب کی سختی کو جان لیتے تو خدا کے ساتھ شریک بنانے کے جرم کی بغاوت سے بچ جاتے ۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۗ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۗ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾

صدق اللہ العظیم

جب بری ہو جائیں وہ لوگ جن کی (دنیا میں) اتباع کی گئی ان لوگوں سے جنہوں نے (ان کی پیروی کی) اور عذاب دیکھ لیں گے اور ان کے تمام (وسائل وذرائع) منقطع ہو جائیں گے (۱۶۶) اور (ان کی) پیروی کرنے والے کہیں گے کاش ہمارے لئے دنیا میں لوٹنا ممکن ہوتا تو ہم ان سے اس طرح بری ہو جاتے جس طرح یہ ہم سے بری الذمہ ہو گئے ہیں ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو باعث حسرت بنا کر انہیں دکھائے گا اور وہ ہرگز جہنم کی آگ سے نکلنے والے نہیں ہیں ۔ (۱۶۷)

تفسیر

جن اُمراء کے حکم سے دنیا میں لوگوں نے کفر کیا تھا جب یہ لوگ (اُمراء و رؤسا) قیامت کے دن عذاب

کو دیکھ لیں گے تو اپنے پیروکارلوگوں سے بری ہوجائیں گے۔ ہرگمراہ کرنے والا اپنے تابع سے بری ہوجائے گا۔کفار ومشرکین اس امید پر گمراہی میں مبتلا ہوئے ہیں کہ یہ اُمراٗ مصیبت کے وقت ان کے کام آئیں گے مگر جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو یہ ان کی امداد تو کیا کریں گے ان سے بیزاری کا اعلان کریں گے اور اپنی برأت ظاہر کریں گے۔اے اللہ! یہ اپنے کئے کے خود ہی ذمہ دار ہیں ہم نے ان سے کچھ نہیں کروایا،اس کے علاوہ ان کے باقی رابطے بھی بے کار ہوجائیں گے اور وہ تعلقات بھی کوئی کام نہ دے سکیں گے۔تمام احباب رشتہ دار متعلقین منہ موڑلیں گے تب یہ کہیں گے کاش! دنیا میں دوبارہ جانے کا ہمیں موقع مل جاتا تو ہم ان سے ایسے ہی علیحدگی اختیار کرتے جیسے انہوں نے آج ہم سے کی ہے۔اب ان کے سارے اعمال شرمندگی بن کر ظاہر ہوں گے۔کاش! یہ اچھے کام کرتے مگر اب بغیر افسوس کے کچھ ہونہ پائے گا اور یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ہمیشہ عذاب میں رہنا،کسی کا کام نہ آنا،دنیا میں واپس آنے کی تمنا کرنا یہ سارے کام کفار کے ہوں گے مسلمان ان سے محفوظ ہوں گے۔

وَصلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدَدِ خَلْقِہٖ

يَاأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿١٦٨﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾

صدق اللہ العظیم

اے لوگو! زمین میں حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور شیطان کے پیچھے مت چلو بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔(۱۶۸)وہ تو تمہیں برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور (یہ کہتا ہے) کہ اللہ پر ایسی بات کرجس کا تمہیں پتہ ہی نہیں۔(۱۶۹)

تفسیر

اس آیہ مبارکہ کے نزول کے متعلق کئی روایات ملتی ہیں جنہیں تفسیر کبیر میں امام فخرالدین رازی نے نقل فرمایا ہے۔روح المعانی میں بھی یہ مواد ملتا ہے۔ایک روایت یہ ہے ثقیف اور خزاعہ کے کچھ لوگوں نے اپنے

اوپر کھانے کی کچھ اشیاء حرام قرار دے لیں۔ان کا نظریہ تھا کہ دنیا کی نعمتوں سے الگ تھلگ رہنا اسکی طرف دھیان نہ کرنا ریاضت ہے اور باعث ثواب ہے۔ان کی تردید میں یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی کہ حلال و پاک چیزوں سے روگردانی یا نفرت کوئی عبادت یا ریاضت نہیں۔ایک روایت یہ بھی ہے کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اوران کے کچھ ساتھی اسلام قبول کر لینے کے بعد بھی اونٹ کے گوشت سے نفرت کرتے تھے کہ یہ یہودیت میں حرام تھا اور یہ یہود میں سے اسلام لائے تھے۔تو یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی کہ لوگو! زمین کی چیزوں میں سے حلال پاک کھاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے وہ تو تمہیں برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔اور تمہیں اللہ تعالی کے بارہ میں ایسی باتیں کہلوانے پر آمادہ کرتا ہے جس کا تمہیں پتہ ہی نہیں۔

اس آیہ مبارکہ میں حلال طیب چیزوں کے کھانے کا حکم دیا گیا ہے۔جس سے پتہ چلتا ہے حلال پاک چیزوں کا کھانا اعمال صالحہ کو صاف ستھرا بناتا ہے،اچھی غذا، اچھی عادات،اچھے اعمال،اچھے کردار کا سبب بنتے ہے۔اسلام نے حلال طیب چیزوں کے استعمال کا حکم دے کر حرام کھانے کا دروازہ بند کیا ہے۔بندے کو گمراہ کرنے کے لئے حرام کا استعمال شیطانی عمل ہے جس سے بندہ انصاف،حق اور دیانت کی راہوں سے بھٹک جاتا ہے۔اس آیہ مبارکہ میں لوگوں کو ایک حکم دیا گیا ہے کہ وہ بلا دلیل کسی حلال چیز کو حرام نہ کہیں اگر اس ضابطہ پر عمل ہو جائے تو بہت سے مذہبی معاملات و مسائل میں پیچیدگیاں اور مشکلات حل ہو سکتی ہیں۔

رزق حلال سے عبادت میں ذوق وشوق کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔دعائیں قبول ہوتی ہیں۔تفسیر عزیزی میں ہے ایک دن حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کی حضور! دعا فرمائیں میری دعائیں قبول ہوا کریں تو آپ ﷺ نے جواب فرمایا، رزق حلال کا خیال کرو دعائیں قبول ہوں گی۔

بنی اسرائیل میں بارش نہ ہوئی،قحط پڑ گیا لوگوں نے بہت دعائیں کیں مگر قبول نہ ہوئیں۔قوم نے موسٰی علیہ السلام سے عرض کی،آپ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں بارش عطا فرمائے،موسٰی علیہ السلام نے عرض کی

یا اللہ تیری مخلوق پریشان ہے ان کی دعائیں قبول فرما، بارش عطا کر، بارگاہ قدس سے حکم ملا اے کلیم! میں اِن کی دعائیں قبول نہیں کروں گا کہ ان کا رزق حرام ہے۔

سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تین چیزوں میں نجات ہے۔ حلال کھایا جائے، فرائض ادا ہوں، حضور ﷺ کی اقتداء ہو۔

وَصلَّى اللّٰـهُ تَعَالىٰ عَلىٰ حَبِيْبِـهٖ سَيِّدِنَـا مُحَمَّدٍ وَّعَلىٰ آلِـهٖ وَاَصْحَابِـهٖ بِعَدَدِ خَلْقِـهٖ

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ۝

صدق اللہ العظیم

اور جب ان سے کہا جاتا ہے تم اس کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں ہم اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے خواہ ان کے باپ دادا عقل و ہدایت سے محروم کیوں نہ ہوں۔ (۱۷۰)

تفسیر

اس آیہ مبارکہ سے باپ دادا کی اندھی اتباع کی مذمت فرمائی گئی ہے۔ اس آیہ مبارکہ سے کچھ لوگوں نے مسئلہ تقلید کی مذمت بیان کی کہ حنفی، شافعی، مالکی لوگ اپنے بڑوں کی تقلید کرتے ہیں یہ جائز نہیں حالانکہ یہی آیہ مبارکہ اس مسئلہ کو حل کر رہی ہے۔ باپ دادوں کی اتباع کی مذمت اس لئے فرمائی گئی کہ وہ عقل والے نہ تھے، ہدایت پر نہ تھے، جیسے ارشاد خداوندی ''لایعقلون شیاء ولایھتدون'' سے واضح ہے۔ معلوم ہوا کفار کے آباؤ اجداد عقل و ہدایت سے محروم تھے اس لئے ان کی اتباع سے روک دیا گیا ہے۔ ہدایت سے مراد وہ شرعی احکام جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئے، عقل سے مراد وہ شرعی طریقہ استدلال جس سے دلیل بنائی جائے۔ کفار کے باپ دادے ان دونوں نعمتوں سے محروم تھے۔ لہذا ان کی اتباع کو

ناجائز فرمادیا گیا، لوگ اس قسم کی آیات سے تقلید کی مخالفت کرتے ہیں، صحیح نہیں۔

یہی آیہ مبارکہ جاہلوں اور مجتہدین کی تقلید میں فرق بیان کر رہی ہے۔اسی آیہ مبارکہ کی تفسیر میں امام قرطبی نے وضاحت فرمائی ہے کہ اس آیہ میں باپ دادوں کی تقلید کے ذکر سے باطل عقائد اور برے اعمال میں تقلید کرنا ہے۔صحیح عقائد، صالح اعمال میں تقلید اس میں داخل نہیں۔امام قرطبی نے اسی آیہ کے تحت وضاحت کی ہے کہ باطل کی تقلید بری شئے ہے فرماتے ہیں حق کے معاملہ میں تقلید سے اس کا کوئی تعلق نہیں فرماتے ہیں حق میں تقلید کرنا تو دین کے اصول میں ایک مستقل بنیاد ہے اور مسلمانوں کے دین کی حفاظت کا بڑا ذریعہ ہے کہ جو شخص اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ دین کے معاملہ میں تقلید پر ہی اعتماد کرتا ہے۔

(قرطبی ج۲ص۱۹۵)

قرآن مقدس کا ارشاد گرامی ’’**فسئلو اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون**‘‘ اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے پوچھو۔علم والوں کی بات کو ماننا تقلید ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلىٰ حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ۗ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

صدق اللہ العظیم

اور کافروں کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو ایسے شخص کو پکارے جو بلانے اور آواز دینے کے سوا اور کچھ نہیں سنتا۔بہرے، گونگے، اندھے ہیں یہ کچھ نہیں سمجھتے۔(۱۷۱)

تفسیر

اس آیہ مبارکہ میں جو کفار کی مثال بیان فرمائی گئی ہے اس کی کئی تفاسیر ہیں۔حضور ﷺ جو کفار کو اسلام کی طرف بلا رہے ہیں اور وہ حضور ﷺ کے اس بلانے پر توجہ نہیں دیتے، یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی اپنے جانوروں

کوآواز دے کر بلا رہا ہے اور جانور اس کی آواز تو سن رہے ہیں مگر انہیں پتہ نہیں چل رہا کہ ان کا محافظ کہہ کیا رہا ہے۔

اس کا معنی اس طرح بھی کیا گیا ہے کہ کفار اپنے باطل معبودوں کو جو پکار رہے ہیں۔اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ اپنے ریوڑ کا محافظ اپنے گم شدہ جانوروں کو پکار رہا ہو اور اسے پتہ نہ چلے کہ اس کے جانور کہاں ہیں ۔یا ان بت پرستوں کی مثال ایسی ہے جو پہاڑ یا گنبد میں آواز دے اور پھر وہی لفظ سن لے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے فرمایا محبوب! آپ بت پرستوں کے رویے سے پریشان نہ ہوں وہ تو ایسے ہی ہیں جیسے جانور چرواہے کی آواز کو تو سن لیں مگر کچھ سمجھتے نہیں۔یہی حال ان کا ہے آپ کی بات سنتے تو ہیں مگر دل میں نہیں اتارتے کہ خدا کی طرف سے دی گئی قوتیں انہوں نے بے کار کر دیں اور ان سے محروم ہو گئے۔

اس آیہ مبارکہ میں کفار کو گونگے ،بہرے ،اندھے فرمایا گیا ،حالانکہ وہ دیکھتے بھی تھے، سنتے بھی تھے ،بولتے بھی تھے مگر چونکہ اُن کا دیکھنا ،سننا، بولنا دین کے لئے نہ تھا،اس لئے گونگے ،اندھے فرمایا گیا۔اس آیہ مبارکہ سے یہ بھی پتہ چلا نصیحت سننا اور عمل نہ کرنا دل میں نہ اتارنا جانوروں کی طرح سننا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

وَصلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدَدِ خَلْقِہٖ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ

صدق اللہ العظیم

اے ایمان والو! ان پاک چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔(۱۷۲)

تفسیر

اس سے پہلے آیہ(۱۶۸) میں تمام لوگوں کو حکم تھا کہ زمین سے حلال طیب کھاؤ۔اس حکم میں سبھی انسان شامل ہیں۔مومن ہوں یا کافر اس آیہ مبارکہ میں خصوصاً ایمان والوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ کفار اس حلال و طیب کھانے کے ارشاد پر عمل کریں یا نہ،ایمان والو! تم تو اس حکم کو اچھی طرح سے نبھاؤ اور حلال رزق سے اپنے اعمال صالح کو حسن و جمال سے مزین کرو۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالی پاک ہے اور وہ پاک چیز کے علاوہ کسی شئی کو قبول نہیں فرماتا۔ (مسلم شریف ص۳۲۶ ج ۱)

حلال وہ ہے جو حرام نہ ہو۔طیب وہ شئی ہے جو بد مزہ نہ ہو۔ایمانداروں کو حکم دیا گیا ہے کہ حلال طیب کھاؤ اور اس کی عطا کردہ نعمت پر شکر بھی بجالاؤ۔اس طرح کھانے پینے کے بعد شکر بجالانے سے یہ کھانا پینا بھی عبادت شمار ہوگی۔''مارزقنا کم '' کے ارشاد سے واضح ہو رہا ہے''رزق'' کا لفظ حرام حلال دونوں پر بولا جاتا ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ حرام رزق نہیں تو پھر حرام خوروں کا رازق کوئی اور ماننا ہوگا۔(معاذ اللہ) نعمت کے حاصل ہونے پر شکر بجالانا اللہ کا فضل ہے جس سے نعمت میں مزید برکت ہوتی ہے۔

قرآن مقدس نے فرمایا''لئن شکرتم لا زیدنکم ''اگر تم شکر کرو گے تو میں زیادہ دوں گا۔انعامات الٰہیہ پر شکر کرنا واجب ہے۔اسی لئے کھانے کے ساتھ شکر کا ذکر فرمایا گیا حلال کھانے سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے،برے اخلاق سے نفرت ہوتی ہے،اچھے اور عمدہ اخلاق کی رغبت ہوتی ہے،عبادت میں سکون

محسوس ہوتا ہے، گناہوں سے دل گھبراتا ہے اور بندہ بچنے کی کوشش کرتا ہے، حلال طیب کھانے کا حکم وہ عظیم حکم ہے جو انبیاء علیہم السلام کو بھی دیا گیا۔ "یاایھاالرسل کلو من الطیبات و اعملوا صالحا" اے رسولو! تم پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو

اس ارشاد سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نیک کام کرنے میں رزق حلال کا بڑا دخل ہے۔ ایسے ہی دعا قبول ہونے میں بھی رزق حلال ممد ثابت ہوتا ہے۔ مسلم شریف میں ہے حضور ﷺ نے حرام چیزوں سے بچنے کی ایک مثال ارشاد فرمائی۔ ایک بندہ لمبا سفر کرتا ہے اس کے بال گرد آلود ہیں آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر عرض کرتا ہے یارب یارب، اس کا کھانا پینا حرام ہو، لباس حرام ہو، اس کی غذا حرام ہو تو اس کی دعا کیسے قبول ہو گی۔ (مسلم شریف ص ۳۲۶ ج ۱)

وَصلَّى اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدَدِ خَلْقِہٖ

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

صدق اللہ العظیم

اللہ تعالی نے تم پر جس کا کھانا حرام کیا ہے وہ مردار ہے، خون ہے، خنزیر کا گوشت ہے، اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ جو شخص مجبور ہو جائے جبکہ وہ نافرمانی کرنے والا اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو تو اس پر (کھانے یا استعمال میں) گناہ نہیں بے شک اللہ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے (۱۷۳)

تفسیر

اس آیہ مبارکہ میں چند حرام چیزوں کی فہرست دی گئی ہے۔ لفظ "انما" کے حصر سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حرام صرف یہی چیزیں ہیں، حالانکہ قرآن و حدیث سے اور بھی بہت سی چیزوں کی حرمت ثابت ہے،

تو جواب دیا جاسکتا ہے یہاں پر مطلق حلال وحرام کا بیان نہیں بلکہ مخصوص جانوروں کے حلال وحرام ہونے کا بیان ہے جنہیں مشرکین اپنے اوپر حرام قرار دے دیتے تھے۔اس کے مقابلہ میں یہ فرمایا گیا کہ اللہ کے نزدیک تو فلاں فلاں جانور حرام ہیں جن سے تم پرہیز نہیں کرتے اور جو حلال ہیں ان سے بچتے ہو،تو یہاں پر''انما'' کا حصر مطلق نہیں اضافی ہے،اس آیہ مبارکہ میں چار چیزوں کی حرمت بیان فرمائی گئی۔

☆ پہلی شئی ''میة '' ہے (مردار) اس سے مراد وہ جانور ہے،جس کے حلال ہونے کے لئے ازروئے شریعت ذبح کرنا ضروری ہے وہ بغیر ذبح کے مرجائے یا گلا گھونٹ کر یا کسی دوسری شئی سے ماردیا جائے وہ مردار ہے،اور حرام ہے۔

☆ دوسری شئی ''خون'' ہے جسے اس آیہ مقدسہ میں حرام فرمایا گیا ہے اس خون سے مراد'' دم مسفوحٗ ہے یعنی بہنے والا خون جیسے قرآن مقدس نے فرمایا ہے''او دمامسفوحاً ''۔

☆ تیسری شئی وہ چیز جو اس آیہ مبارکہ میں حرام فرمائی گئی وہ''خنزیر'' ہے،آیہ مبارکہ میں خنزیر کے گوشت کی حرمت کا ذکر ہے۔امام قرطبی فرماتے ہیں اس سے مراد گوشت کی تخصیص نہیں بلکہ خنزیر کے تمام اجزاء ہڈی،بال،پٹھے،کھال سبھی حرام ہیں۔لفظ''لحم'' بڑھا کر اس طرف اشارہ ہے کہ خنزیر دوسرے جانوروں کی طرح نہیں کہ ذبح کرنے سے پاک ہوجائے خنزیر کا گوشت ذبح کرنے سے بھی پاک نہیں ہوتا۔کہ وہ نجس العین بھی ہے اور حرام بھی۔

☆ چوتھی شئی جسے آیہ مبارکہ میں حرام فرمایا گیا وہ جانور ہے جسے ذبح کرتے وقت اس پر غیر اللہ کا نام لیا جائے،مسلمانوں کو فرمایا گیا کہ تم کفار کے جھانسے میں نہ آؤ۔ہماری پیدا کی ہوئی چیزوں سے حلال طیب کھاؤ،ہماری طرف سے حرام کی گئی ان چیزوں سے بچنا مردار،بہتا ہوا خون،سور کے اجزاء،گوشت وغیرہ اور وہ جانور جسے غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔یہی معنی اکثر وبیشتر مفسرین نے بیان کیا ہے کہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام بلند کیا جائے جیسے کفار چھری چلاتے ہوئے،اپنے بتوں کا نام لیتے تھے،'' باسم اللات

والعزیٰ ‘‘ کہتے تھے۔ کہ لات اور عزیٰ کے نام سے ذبح کرتے ،اللہ کا شکر ہے مسلمان کسی جانور کے ذبح کرتے وقت کسی نبی، ولی، بزرگ کا نام لیتے ہی نہیں وہ صرف اللہ ہی کے نام سے ذبح کرتے ہیں۔

ہاں اس میں تمہارے لئے یہ سہولت ہے اگر کوئی بھوک سے بے تاب ہو گیا تو ضرورت سے زیادہ نہ کھائے۔اور کھانے میں لذت کا طالب نہ ہو تو اس حالت میں استعمال جائز فرمایا گیا اس شخص کو’’ مضطر‘‘ فرمایا گیا ہے۔شرعی طور پر مضطر وہ ہے جس کی جان خطرہ میں ہو اس کے لئے دو شرطوں کے ساتھ یہ حرام چیزوں کے کھانے کی گنجائش دی گئی ہے ۔مقصود جان بچانا ہے ،کھانے کی لذت حاصل کرنا مقصود نہیں۔دوسری شرط صرف بقدر ضرورت جان بچانے کے لئے استعمال ہو، پیٹ بھر کر کھانا ضرورت سے زائد کھانا اس وقت بھی حرام ہے۔

اس آیہ مبارکہ میں’’فلااثم علیہ ‘ ‘کے ارشاد میں ایک واضح بات ملتی ہے کہ اس مجبوری کی حالت میں بھی حرام کو حلال نہیں فرمایا گیا وہ حرام تو اپنی جگہ پر بدستور حرام ہی ہے البتہ مجبوری کی حالت میں کھانے والے کے گناہ کو معاف کر دیا گیا ہے کسی حرام چیز کے استعمال کی اجازت کے لئے تین باتوں کا ہونا لازمی ہے۔

(۱) واقعی ہی مجبوری ہو۔

(۲) جان کو خطرہ ہو۔

(۳) خدا کے حکم کی بغاوت کا تصور نہ ہو اور ضرورت سے زیادہ استعمال نہ ہو۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک قول میں تو اس مجبوری میں سیر ہو کر کھانا بھی جائز ہے۔امام مالک کا قول بھی یہی ہے امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں اگر حلال مل جانے کی امید ہے تو صرف جان بچانے کے لئے تھوڑا سا کھائے اگر حلال جلد ملنے کی امید نہ ہو تو سیر ہو کر کھائے۔(تفسیر مظہری)

وَصلَّى اللّٰـهُ تَعَالىٰ عَلىٰ حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدِدِ خَلْقِهٖ

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُونَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولٰٓئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۴﴾

صدق اللہ العظیم

بے شک جو لوگ اس کو چھپاتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے کتاب میں نازل کیا ہے اور اس کے بدلے میں تھوڑا سا معاوضہ لیتے ہیں یہ لوگ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھر رہے ہیں اللہ قیامت کے دن ان سے کلام نہیں کرے گا، اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کرے گا۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (۱۷۴)

تفسیر

یہ آیہ مبارکہ یہود کے حق میں نازل ہوئی کہ توراۃ میں جو آیات حضور ﷺ کے حق میں نازل ہوئیں یہ انہیں چھپاتے تھے۔ حضور ﷺ کے کمالات کو چھپانا، ان میں ردوبدل کرنا ان کی فطرت میں تھا۔ اپنی خواہشات کے مطابق ردوبدل کر لیتے اس طرح وہ لوگ خود بھی حق سے دور رہتے اور دوسرے لوگوں کو بھی دور رکھنے کے منصوبے پر عمل کرتے رہتے۔ ان کا یہ عمل اس قدر قبیح تھا کہ اس کی سزا بھی شدید دی گئی۔ معمولی مفاد کی خاطر حضور ﷺ کے کمالات چھپانے کی سزا قرآن مقدس نے فرمائی کہ وہ جو حقیر مال کھا رہے ہیں وہ تو اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں۔ ان کے اس قبیح جرم کی سزا یہ بھی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے کوئی بات بھی نہیں کرے گا اور ان کے گناہ بھی معاف نہیں فرمائے گا ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿١٧٦﴾

صدق اللہ العظیم

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی خرید لی اور مغفرت کے بدلے میں عذاب کو خرید لیا۔ (حیرت ہے) انہیں کس چیز نے آگ کے عذاب پر اس قدر دلیر بنا دیا (۱۷۵)، یہ سزا اس وجہ سے ہوگی کہ اللہ نے تو کتاب حق کے ساتھ اتاری اور بے شک جو لوگ کتاب میں اختلاف ڈال رہے ہیں وہ پرلے درجے کے جھگڑالو ہیں۔ (۱۷۶)

تفسیر

کتاب سے مراد یا تورات ہے یا مطلق کتاب ہے جو تورات اور قرآن اور دوسری آسمانی کتابوں کو بھی شامل ہے۔ اس کتاب میں اختلاف اس طرح کیا کہ کسی نے کفر اختیار کیا، کسی نے گمراہی کو شیوہ بنا لیا اور کوئی راہ راست پر رہا اور جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا وہ پرلے درجے کی مخالفت میں ہیں۔ بعض احکام مانتے ہیں، بعض احکام کا انکار کرتے ہیں مثلاً حضور ﷺ کی اتباع نہیں کرتے حالانکہ یہ حکم بھی تو توراۃ کا ہی ہے۔

اختلاف کا یہ معنی بھی ہے کہ کبھی اسے جادو کہتے ہیں اور کبھی بشر کا کلام کہتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں یہ لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ ''شقاق بعید '' کا معنی ہوگا، حق سے بہت دور ہیں۔ تورات میں حضور ﷺ کے بیان کئے گئے کمالات کو چھپانے والوں کی سزا فرمائی گئی کہ ان سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کلام نہیں فرمائے گا۔ آگ کھانے کا معنی یہ ہے کہ ان کا یہ عمل ان کے آگ میں جلنے کا باعث ہوگا۔ وہ حرام مال جو

تورات کے احکام کو چھپا کر حاصل کرتے اور کھاتے تھے وہ تو جہنم کی آگ ہی کھاتے تھے۔اس لئے اس برے کام کا انجام بھی برا ہے۔ یہ بھی معنی کیا گیا ہے کہ مال حرام در حقیقت جہنم کی آگ ہے اگر چہ اس کا آگ ہونا دنیا میں محسوس نہیں ہوتا مگر مرنے کے بعد اس کا یہ عمل آگ کی شکل میں سامنے آجائے گا۔ان آیات مقدسہ میں دین کے چھپانے ،حق پر پردہ ڈالنے کی سزا فرمادی گئی ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ
الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ
وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ
وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ
وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ
فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿١٧٧﴾

صدق اللّٰہ العظیم

نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو لیکن نیکی اس شخص کی ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر ایمان لائے اور مال اپنی محبت کے باوجود اللہ کے حکم سے رشتہ داروں ،یتیموں ،مسکینوں ،مسافروں سوالیوں اور غلام آزاد کرنے کے لئے خرچ کرے ، نماز قائم کرے ،زکوۃ ادا کرے ،اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے جب وہ عہد کریں مصائب مشکلات میں صبر کرنے والے ،یہی لوگ سچے ہیں اور یہی متقی ہیں۔(۱۷۷)

تفسیر

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں یہ آیہ مبارکہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی یعنی نیکی صرف یہ نہیں کہ تم نماز پڑھ لو اور اس کے سوا کوئی اور نیک عمل نہ کرو۔ یہ روایت بھی ہے کہ یہود مغرب کی طرف منہ کر

کے نماز پڑھتے تھے اور عیسائی مشرق کی طرف تو یہ آیہ کریمہ نازل ہوگئی۔لوگوں کو حکم ہے نیکی صرف مشرق و مغرب کی طرف منہ کر کے عبادت کر لینا نہیں، اصل نیک شخص وہ ہے جو اللہ تعالی پر ایمان لائے کہ اسے وحدہٗ لاشریک مانے، عیب ونقص سے پاک مانے، اس کی تمام صفات کو قدیم مانے، اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے قیامت کے دن کو مانے کہ حشر ہوگا، حساب کتاب ہوگا، کتاب کا اقرار کرے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے۔جسے جبریل علیہ السلام کے ذریعے حضور ﷺ پر نازل کیا، فرشتوں پر ایمان لائے کہ فرشتے اللہ کی معصوم مخلوق ہیں، تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائے کہ تمام انبیاء علیہم السلام حق ہیں کسی ایک نبی کا انکار بھی کفر ہے۔

مال سے اپنی محبت کے باوجود رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، اور سائلین پر خرچ کرے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے حضور ﷺ سے زکوۃ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔ پھر آپ نے یہی آیہ مبارکہ تلاوت فرمائی غلام کو آزاد کرنے میں خرچ کرے، غلام کو آزاد کرانا بہت بڑا عمل ہے۔

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا اللہ تعالی اس کے ہر عضو کے بدلہ میں آزاد کرنے والے کا ہر عضو جہنم سے آزاد کرے گا۔ (مسلم شریف) نماز پڑھنے کا یہ معنی ہے کہ نماز کو نماز کے قواعد وضوابط کے ساتھ پڑھے۔زکوۃ ادا کرنے کا یہ معنی ہے کہ مالدار پر سال گزرے تو وہ اپنے مال کا چالیسواں حصہ فقراء و مساکین کو دے۔عہد پورے کرنے کا معنی یہ ہے کہ بندے نے جو اللہ سے عہد کیا ہے وہ بھی پورا کرے، لوگوں سے جو عہد کئے ہیں وہ بھی پورے کرے دونوں عہدوں کو پورا کرنا ضروری ہے کسی گناہ کا عہد کیا ہے تو اس عہد کا توڑنا ضروری ہے۔مشکلات و مصائب میں صبر کرنے والے کسی دکھ، مصیبت پریشانی میں مبتلا ہو جائے تو صبر کرے۔صبر کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ بندہ قدرت کے فیصلوں پر راضی ہے۔یہی لوگ سچے ہیں، متقی ہیں کہ گناہوں سے بچتے ہیں

اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں اس کی رضا پر راضی رہتے ہیں۔

اس آیہ مبارکہ میں اللہ پر ایمان، قیامت کے دن پر ایمان، سارے فرشتوں پر ایمان، آسمانی کتابوں پر ایمان، سارے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کا حکم فرمایا گیا۔اس کے علاوہ چھ مقامات پر خرچ کرنے کا حکم دیا گیا۔رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، بھکاریوں کو، اپنے غلام کو آزاد کرنے، قیدیوں کو چھوڑنے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔اس کردار کے لوگوں کو سچے اور پرہیزگار فرمایا گیا ہے۔

وَصلّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدِدِ خَلْقِہٖ

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلْقِصَاصُ فِى ٱلْقَتْلَى ۖ ٱلْحُرُّ بِٱلْحُرِّ وَٱلْعَبْدُ بِٱلْعَبْدِ وَٱلْأُنثَىٰ بِٱلْأُنثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِىَ لَهُۥ مِنْ أَخِيهِ شَىْءٌ فَٱتِّبَاعٌۢ بِٱلْمَعْرُوفِ وَأَدَآءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَٰنٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ ٱعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُۥ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٨﴾ وَلَكُمْ فِى ٱلْقِصَاصِ حَيَوٰةٌ يَٰٓأُو۟لِى ٱلْأَلْبَٰبِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٧٩﴾

اے ایمان والو! تم پر مقتولین کے خون (ناحق) کا بدلہ فرض کیا گیا ہے۔آزاد کے بدلے میں آزاد، غلام کے بدلہ میں غلام اور عورت کے بدلہ میں عورت جس (قاتل) کے لئے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کردیا گیا تو اس کا (اصول کے مطابق) مطالبہ کیا جائے اور نیکی کے ساتھ اس کی ادائیگی کی جائے یہ حکم تمہارے رب کی طرف سے تخفیف ہے اور رحمت ہے پھر اس کے بعد جو حد سے تجاوز کرے اس کیلئے دردناک عذاب ہے۔(۱۷۸) اور اے لوگو! تمہارے خون کا بدلہ (مقرر) کرنے میں زندگی ہے تاکہ تم (ناحق قتل کرنے سے) بچو۔(۱۷۹)

صدق اللہ العظیم

تفسیر

اس آیہ مبارکہ میں قتل کے متعلق وضاحت فرمائی کی گئی ہے۔مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ قصاص میں برابری ضروری ہے۔زمانہ جاہلیت میں جب دوگروہ آپس میں لڑ پڑتے ،ان میں ایک قبیلہ غریب ہے اور دوسرا امیر ہے۔غریب قبیلہ کے شخص نے امیر قبیلہ کے آدمی کو قتل کر دیا ہے تو امیر قبیلہ کہتا ہم غریب قبیلہ کے آزاد شخص کو قتل کریں گے،اسی طرح اگر غریب قبیلہ کی عورت کسی معزز قبیلہ کی عورت کو قتل کر دیتی تو معزز قبیلہ فیصلہ کرتا کہ ہم اپنی عورت کے بدلہ میں پسماندہ قبیلہ کے مرد کو قتل کریں گے۔تو ان کے اس رویہ کے خلاف یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی اس میں لوگوں کو تکبر اور غرور سے منع کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ عورت کے بدلہ میں عورت،آزاد کے بدلہ میں آزاد،غلام کے بدلہ میں غلام کو قتل کیا جائے گا۔ان کے اس انداز فیصلہ کو منع کر دیا گیا کہ غلام کے بدلہ آزاد،عورت کے بدلہ مرد،قاتلہ عورت سے کچھ نہ کہا جائے ،اور بے گناہ مرد کو اس کے بدلہ قتل کیا جائے۔قاتل غلام کو تو نہ پوچھا جائے اور بے گناہ آزاد کو قتل کر دیا جائے۔اس غیر اسلامی دستور پر صدیوں عمل رہا،عرب کے معزز و متکبر قبیلے اس ظالمانہ ضابطہ پر صدیوں عمل کرتے رہے،قرآن مقدس نے اس ظالمانہ دستور کو ختم کر دیا اور حکم دیا کہ اصل قاتل کو ہی قتل کیا جائیگا یہ ایک مساوات کا درس ہے جو اسلام نے قوموں کو سکھایا ہے۔پھر اگر مقتول کے ورثا میں سے کوئی بھی قاتل کو معاف کر دے تو دوسروں کو قصاص کا حق نہیں۔اب یا تو وہ مال لیں یا شریعت کی طے کردہ دیت۔پھر وارثین کو چاہئے کہ اس سے مطالبہ کریں اور قاتل آرام سے امن سے مال ادا کر دے۔یہ اللہ تعالی کا تم پر کرم ہے کہ تمہیں یہ سہولتیں دے دیں ورنہ پہلی قوموں میں ایسا نہ تھا کسی میں قصاص کا حق تھا اور کسی میں معافی کا۔اب جو شخص معافی کے بعد زیادتی کرے قاتل مال ادا کرنے میں ڈھیل کرے یا وارث معافی دے کر جان لینا چاہے یا زیادہ مال مانگے تو اسے دردناک عذاب ہوگا۔اسلام نے اس قانون قصاص میں ایک اہم تبدیلی بھی فرما دی کہ مقتول کے وارث قاتل سے صلح کرنا چاہیں تو خون بہا لے کر صلح کر سکتے ہیں۔

اس آیہ مبارکہ میں ''من اخیہ '' کے ارشاد میں انتہائی پیار و محبت کا درس ہے،قتل جیسا اہم واقعہ ہو جانے

کے بعد بھائی کا لفظ فرمایا گیا ہے اگرچہ حالات بگڑ چکے ہیں اور دوریاں ہو چکی ہیں، تعلقات ختم ہو گئے ہیں تاہم مسلمان بھائی تو ہے۔ انتہائی نامساعد حالات میں بھی شفقت و محبت کو اجاگر کیا جارہا ہے۔ یہ بھی اشارہ مل رہا ہے کہ بندہ گناہ کرنے سے کافر نہیں ہوتا۔ آیہ مبارکہ کے آخری حصہ میں فرمایا قصاص میں تمہاری زندگی ہے، امن ہے۔ اگر یہ قصاص کا ضابطہ نہ ہوتا کسی کو قتل کے بعد قاتل کو کوئی خطرہ نہ ہوتا تو کس قدر بدامنی ہوتی، انسان جانوروں کی طرح ذبح کئے جاتے۔ قصاص نہ ہوتا تو قاتل اس گناہ سے بچتا کیسے۔ قصاص میں اس لئے بھی حیات ہے کہ ڈر کی وجہ سے قتل و غارت سے امن رہے گا۔ قصاص میں اس لئے بھی حیات ہے کہ بدلے کے بعد مقتول کے وارث اپنی زندگی پرسکون گزار سکیں گے۔

وَصلّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدَدِ خَلْقِہٖ

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ
وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿١٨٠﴾
فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ
عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ
عَلِيمٌ ﴿١٨١﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ
إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ
إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٨٢﴾

صدق اللہ العظیم

جب تم میں سے کسی پر موت آئے اگر اس نے مال چھوڑا ہے تو اس پر ماں، باپ، اور رشتہ داروں کے لئے دستور کے مطابق وصیت کرنا فرض کیا گیا ہے۔ یہ پرہیز گاروں پر حق ہے۔ (۱۸۰) جس نے وصیت کو سننے کے بعد اس کو تبدیل کیا تو اس کا گناہ صرف تبدیل کرنے والوں پر ہے بے شک اللہ سب کچھ سننے والا بہت جاننے والا ہے۔ (۱۸۱) پھر جس کو وصیت کرنے والے سے بے انصافی یا گناہ کا خوف ہو، پس وہ اُن کے درمیان صلح کرادے تو اس پر کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (۱۸۲)

تفسیر

ان آیات مبارکہ میں رب قدوس جل مجدہ نے عربوں کے ایک جاہلانہ رواج کی اصلاح فرمائی ہے۔ عرب کے جہلاء کا رواج تھا کہ موت کے وقت اپنے مال میں ایسے لوگوں کے نام وصیت کر جاتے جن کا ان سے کوئی تعلق نہ ہوتا تھا اور اسے سخاوت کے نام سے تعبیر کرتے۔ اگر کوئی وصیت کے بغیر مر جاتا تو جائیداد صرف بیوی، بچوں میں تقسیم ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے ان کی اس جاہلانہ رسم کو ختم فرمادیا۔ والدین اور قریبیوں کو اولین حقدار قرار دیا۔ اسی سلسلہ میں پھر دوسرے مرحلہ پر سورۃ النساء شریف میں وراثت کے احکام کو تفصیل سے فرمادیا گیا۔ پھر اس مسئلہ کو حضور ﷺ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے اس طرح طے فرمایا'' کہ ان رشتہ داروں کے لئے وصیت کی ممانعت فرمادی جنہیں وراثت میں حصہ دیدیا گیا ہے۔ مزید یہ بھی فرمادیا گیا کہ وصیت متروکہ مال کے تیسرے حصہ تک کی جاسکتی ہے۔

حضور ﷺ کے یہ ارشادات قرآن حکیم کی تشریح، وضاحت اور تفسیر ہیں۔ اس ارشاد گرامی میں ''باالمعروف'' کے حکم سے واضح فرمادیا گیا ہے کہ یہ کام شریعت کے مطابق اللہ کے لئے ہو، نام ونمود مطلوب نہ ہو۔ یہ بھی یاد رہے کہ وصیت کا یہ حکم والدین کے لئے منسوخ ہو گیا کہ قرآن مقدس نے والدین اور اقرباء کے حصے مقرر فرمادیئے ہیں یہ حکم اس وقت تھا جب مال کی تقسیم وصیت پر ہی ہوتی تھی۔ جب آیات میراث نے حصے مقرر فرمائے تو یہ حکم باقی نہ رہا۔ سارے مال میں سے تیسرے حصہ کی وصیت کا حکم سیدنا سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ملتا ہے آپ فرماتے ہیں حجۃ الوداع کے موقع مجھے تکلیف ہوئی کہ قریب المرگ ہو گیا حضور ﷺ بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے تو میں نے عرض کی حضور ایک لڑکی کے سوا کوئی بچہ وارث نہیں، دو تہائی مال کی وصیت کروں، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، پھر عرض کی آدھا مال صدقہ کردوں، فرمایا نہیں، تہائی مال صدقہ کرو یہ بہت ہے۔ ورثاء کو خوشحال چھوڑو یہ انہیں محتاج چھوڑنے سے بہتر ہے۔ (مسلم شریف جلد دوم)

اللہ تعالی کے حقوق جو ادا نہیں کر سکا ان کی وصیت لازم ہے جیسے زکوٰۃ نہیں دے سکا، حج نہیں پڑھ سکا، ایسے ہی بندوں کے حقوق جو ادا نہیں کر سکا وصیت کرے جیسے قرض ادا نہیں کر سکا کسی کی امانت نہیں دے سکا۔ کچھ وصیتیں مستحب ہیں جیسے غریب، فقراء کے لئے وصیت کرنا۔

وصیت کرنے کی اہمیت حضور ﷺ کے اس ارشاد سے واضح ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا جس کے پاس وصیت کے لائق چیز ہو اور وہ وصیت کرنا چاہتا ہو اس کے لئے وصیت لکھے بغیر دو راتیں گزارنا بھی جائز نہیں (مسلم شریف)

وَصلَّى اللّٰـهُ تَعَالىٰ عَلىٰ حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ
كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَتَّقُوْنَ ﴿١٨٣﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ
مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ
اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ
طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ
لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٤﴾

صدق اللہ العظیم

اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا تھا تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔ (۱۸۳) (یہ روزے) چند دنوں میں جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا مسافر ہو (وہ روزہ نہ رکھے) تو دوسرے دنوں میں عدد پورا کرنا ضروری ہے اور جن لوگوں پر روزہ رکھنا مشکل ہو (ان پر ایک روزہ کا فدیہ) ایک مسکین کا کھانا ہے۔ جو شخص فدیہ کی مقدار بڑھا کر زیادہ نیکی کرے تو یہ اس کے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تمہیں علم ہو تو روزہ رکھنا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ (۱۸۴)

تفسیر

اسلام میں کئی اوراحکام کی طرح روزے کی فرضیت بھی کئی مراحل میں ہوئی ہے۔روزہ نبوت کے پندرہویں سال ۲ ھ میں فرض ہوا۔ابتداء میں ایک روزہ عاشورہ کا تھا پھر ہر مہینہ کی ۱۳،۱۴،۱۵ کے روزے فرض ہوئے پھراس کے بعد ماہ رمضان کے پورے روزے فرض ہوئے مگراختیار تھا کوئی نہ رکھے تو روزے کے بدلے میں فدیہ دے (مسکین کو کھانا کھلائے) پھر یہ رعائیت بھی منسوخ کردی گئی البتہ یہ رعایت مریض،مسافر،حاملہ اور دودھ پلانے والی خاتون کے حق میں جاری رہی۔

روزہ کے سلسلہ میں ایک دور یہ بھی گزرا ہے کہ رات کو سونے سے پہلے پہلے جو چاہو کھاؤ مگر سو کر اٹھنے کے بعد کچھ نہیں کھا سکتے تھے پھر حضرت صرمہ رضی اللہ تعالی عنہ کا واقعہ پیش آنے پر صبح تک کھانے پینے کا اختیار دے دیا گیا۔روزہ کا شرعی معنی یہ ہے کہ بالغ آدمی طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع کو چھوڑ دے۔

یعنی احکام کے نزول میں ترتیب اس طرح ہے پہلے نماز فرض ہوئی پھر زکوٰۃ فرض، پھر روزہ،، پھر حج، پھر جہاد۔جیسے نماز کے اندر تبدیلیاں دکھائی دیتی ہیں کہ معراج والے دن پچاس نمازیں فرض ہوئیں، پھر پانچ پانچ کی تخفیف ہوتی رہی اور باقی پانچ رہ گئیں۔شروع میں دو رکعتیں فرض تھی، پھر سفر میں دو رہیں اور اقامت میں چار یا تین کردی گئیں،ایسے روزہ کے اندر کئی تبدیلیاں ہوئیں۔

روزہ ایک عظیم عبادت ہے یہ عبادت پہلی قوموں میں بھی رہی جیسے ”کما کتب علی الذین من قبلکم“ میں ارشاد ہے اس عظیم عبادت کا ذکر حضور ﷺ کی زبان مبارک سے مختلف انداز میں ثابت ہے، حضور ﷺ نے فرمایا روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالی کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے۔اس عبادت کی عظمت کا ذکر اس طرح بھی ملتا ہے اللہ تعالی فرماتا ہے روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔یا میں ہی اس کی جزا ہوں۔اس عبادت کی عظمت کو بیان فرماتے ،حضور ﷺ نے فرمایا جنت میں ایک دروازہ ہے

جس کا نام ''ریان'' ہے،اس دروازے سے قیامت کے دن روزہ دار ہی داخل ہوں گے اور کوئی اس دروازے سے داخل نہیں ہوگا،روزہ داروں کے داخل ہونے کے بعد یہ دروازہ بند کر دیا جائے گا۔اس عبادت کی اہمیت کو ایک مقام پر حضور ﷺ نے اس طرح بھی ارشاد فرمایا ''جس شخص نے رمضان کا ایک روزہ بھی بغیر عذر کے چھوڑا اگر وہ زمانہ بھر بھی روزہ رکھے تو اس کا بدل نہیں ہوسکتا۔روزے سے نفسانی قوتیں کمزور ہوتی ہیں اور روحانی طاقت کو فروغ ملتا ہے اور انسانی زندگی میں روحانیت کو فروغ دینا عظیم درجہ ہے،روزہ رکھنے سے بھوک پیاس کا پتہ چلتا ہے اور انعامات الٰہیہ کی قدر بڑھتی ہے۔اور پھر بھوک پیاس صحت کے لئے بھی مفید ہیں اور بھوک کئی بیماریوں کا علاج بھی ہے۔

روزہ میں رات کو عبادت تراویح،نوافل،تہجد کی عادت ہوجاتی ہے،جو مزید خیر و برکت کا سبب بنتی ہے۔عام عبادات کا بدل جنت ہے مگر روزہ کا بدلہ خود ذات رب قدوس ہے جیسے ارشاد ہے''وانا اجزی به ''میں اس کا بدلہ ہوں''۔

سیدنا موسٰی علیہ السلام کو تورات دینے سے پہلے چالیس روزوں کا حکم تھا جس سے روزہ کی اہمیت واضح ہوتی ہے،حضور ﷺ کے اس ارشاد سے بھی اس عبادت کی اہمیت واضح ہوتی ہے آپ نے فرمایا قیامت کے دن رمضان اور قرآن روزہ دار کی شفاعت کریں گے۔حضور ﷺ نے اس شخص کو بدنصیب فرمایا ہے جو رمضان پائے اور روزہ رکھ کر جہنم سے آزادی حاصل نہ کرسکے۔

وَصلَّى اللّٰـهُ تَعَالىٰ عَلىٰ حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ
هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى
وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۗ
وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ
مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ
بِكُمُ الْعُسْرَ ۖ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا
اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

صدق اللہ العظیم

رمضان (وہ بابرکت مہینہ ہے) جس میں قرآن نازل کیا گیا، جوانسانوں کو ہدایت دینے والا اور ہدایت دینے والے روشن دلائل جو حق و باطل کا فرق واضح کرتے ہیں تم میں جو شخص اس مہینہ میں موجود ہواس پر لازم ہے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو کوئی مریض ہو یا مسافر ہو (تو اسے روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے) تو دوسرے دنوں میں عدد پورا کرے ۔اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تمہیں مشکل میں ڈالنے کا ارادہ نہیں فرماتا تاکہ تم عدد پورا کرو،اللہ کی بڑائی بیان کروکہ اس نے تم کو ہدایت دی اور تاکہ تم شکرادا کرو۔(۱۸۵)

تفسیر

پچھلی آیہ مبارکہ میں ارشاد تھا کہ تم پر روزے فرض کردیئے گئے ہیں جیسے پہلی قوموں پر تھے اور روزہ رکھنے کی حکمت کا ذکر تھا کہ یہ عبادت تم پر اس لئے فرض کی گئی کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔اس آیہ مبارکہ میں ان دنوں کا ذکر فرمایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس عبادت خاص کیلئے رمضان کا مہینہ ہے اور رمضان کی خصوصیت کیوں کہ اس میں قرآن پاک نازل کیا گیا ہے اور یہ بابرکت مہینہ ہے اور اس بابرکت مہینہ میں روزے کا رکھنا مزید بابرکت ہوجائے گا۔

اس آیہ مبارکہ سے پتہ چلتا ہے قرآن پاک رمضان شریف میں نازل ہوا،اس کی تفصیل یہ ہے کہ

قرآن مقدس ماہ رمضان کی لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے آسمان اول پر اتارا گیا پھر حسب ضرورت تیئس سال میں مکمل ہوا ،ایک معنی یہ بھی ہے کہ قرآن پاک نازل ہونے کا آغاز رمضان پاک میں ہوا۔ لفظ رمضان ''رمضاء'' سے بنا ہے رمضاء خریف کی بارش کو کہتے ہیں جس سے درختوں ،کھیتیوں کے گرد وغبار دُھل جاتے ہیں ،ایسے ہی یہ مقدس مہینہ بھی انسانوں کے گناہوں کو دھوڈالتا ہے ۔اور لوگ گناہوں سے پاک ہوجاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں یہ لفظ رمضان ''رمض'' سے بنا ہے جس کا معنی جلنے کے آتے ہیں سورج کی تیز دھوپ کو بھی رمض کہہ لیتے ہیں مناسبت یہ ہوگی جیسے سورج کی تیز دھوپ جسموں کو جلاتی ہے ایسے ہی یہ مہینہ گناہوں کو جلاتا ہے۔

رمضان شریف میں قرآن مقدس نازل فرمانے کی حکمت بڑی واضح ہے کہ قرآن مقدس اللہ کا کلام ہے اس کے انوار و برکات ہمیشہ جاری رہتے ہیں انسانی وجود میں ان انوار و برکات کے ورود میں رکاوٹ بننے والی شے بشری رکاوٹیں ہیں ،ان بشری حجابات کو ہٹانے اور قرآن مقدس کے انوار و تجلیات کو اپنے اندر سمونے کیلئے بہترین عمل روزہ ہے ۔مریض اور مسافر کو روزہ چھوڑنے کی اجازت اور عذر ختم ہوجانے پر قضائی کا حکم فرما کر ارشاد فرمایا گیا ہے دین آسان ہے۔ دوسری جگہ پر اسی عنوان کو اسطرح بیان فرمایا گیا ”مایرید اللہ لیجعل علیکم من حرج “۔اللہ تعالیٰ نے تو تم پر دین میں تنگی نہیں کی۔ مثلاً نماز کھڑے ہوکر نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر، پانی استعمال نہ کر سکے یا پانی نہ ہو تو تیمّم کی اجازت۔

حدیث شریف میں اس مہینے کے چار نام ذکر ہیں ،ماہ رمضان ،ماہ صبر ،ماہ مواسات ،ماہ وُسعت (مشکوۃ شریف کتاب الصوم) اس مہینے میں رزق بڑھ جاتا ہے اس لیے اسے ماہ وُسعت کہا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے ''یزاد فیہ رزق المؤمن" اس میں مومن کا رزق بڑھ جاتا ہے۔ مواسات کا معنی بھلائی کرنا ہے ایماندار اس مہینے میں ایک دوسرے سے حسن سلوک بھلائی کو اہمیت دیتے ہیں ،سارا دن کھانے ، پینے اور ہر وہ کام جو روزہ کی حالت میں شریعت مطہرہ نے منع کیا ہے اس سے رکنا

پڑتا ہے اسی بنا پر اسے ''ماہ صبر'' بھی کہا جاتا ہے اس مقدس مہینے میں برکت کا یہ عالم ہے کہ نفل کا ثواب فرض کے برابر ہے اور فرض کا ثواب ستر گنا ملتا ہے۔

اس مہینے کی عظمت یوں بھی واضح ہے کہ اسی مہینے میں شب قدر ہے جو ایک ہزار ماہ سے افضل ہے اس مقدس مہینے کی عظمت اس طرح بھی ہے کہ دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں جنت کو سجادیا جاتا ہے۔ ہر مومن کا شوق ہوتا ہے کہ نیکی میں اضافہ کرے اور گناہ سے بچے۔

اس آیہ مبارکہ میں فرمایا گیا کہ رمضان مقدس کا ملنا اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے اس فضل الٰہی پر شکریہ ادا کرنے، تکبیرات کے پڑھنے کا حکم ہے۔ اس مقدس ماہ کی عظمت اس طرح بھی فرمائی گئی ہے کہ قیامت کے دن رمضان اور قرآن روزہ دار کی شفاعت کریں گے اس مبارک مہینے کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ قرآن مقدس نے اس کا نام لیکر ذکر فرمایا اور فضائل بیان فرمائے۔

وَصلّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدَدِ خَلْقِہٖ

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ۝

صدق اللہ العظیم

(اے محبوب! ﷺ) جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں (تو آپ فرمادیں) بے شک میں ان کے قریب ہوں دعا کرنے والا جب دعا کرتا ہے تو میں اسکی دعا قبول کرتا ہوں تو چاہئے کہ وہ بھی مجھ پر ایمان مضبوط رکھیں تا کہ وہ کامیابی حاصل کریں۔ (۱۸۶)

تفسیر

حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور ﷺ سے عرض کی

حضور ہمارا رب کہاں ہے؟ تو یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی کہ میرے بندے جب آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو بتا دیجئے میں قریب ہوں۔

امام بخاری علیہ الرحمہ نے سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے حدیث پاک نقل کی ہے اللہ تعالیٰ جل مجدہ ہر رات کے آخری حصہ میں آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے (جیسے اس کی شان کے لائق ہے) اور فرماتا ہے کہ کوئی دعا کرنے والا ہے میں اسکی دعا کو قبول کروں۔ ہے کوئی مانگنے والا اُسے عطا کروں، ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا اسے معاف کروں۔ (بخاری شریف 935ج2)

اس آیہ مبارکہ میں واضح طور پر دعا مانگنے والے کو بشارت ہے کہ اللہ اسکی دعا کو قبول فرماتا ہے۔ اگر کبھی کسی کی دعا قبول نہیں ہوتی تو یہ خیال مت کرے کہ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اور دعا قبول نہ کرنا خلاف وعدہ ہے (معاذ اللہ) کبھی کبھی دعا قبول نہ ہونے میں دعا کرنے والے کا عمل بھی آڑے آجاتا ہے۔ جیسے حدیث شریف میں ہے رزق حرام ہو تو دعا قبول نہیں ہوتی۔

کلیم اللہ علیہ السلام کے زمانہ میں بارش نہ ہوئی لوگوں نے دعا کی لیکن دعا قبول نہ ہوئی موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی گئی کہ وہ رب سے دعا کریں کہ بارش ہو، کلیم اللہ علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ! بنی اسرائیل تیرے بندے ہیں رو رو کر تجھ سے دعا کر رہے ہیں قبول فرما۔ بارش عطا کر حکم ہوا کلیم میں ان کی دعا کو قبول نہیں کرونگا کہ ان کے پیٹوں میں رزق حرام ہے۔

دعا قبول نہ ہونے کی ایک وجہ اور بھی ہوتی ہے یہی بنی اسرائیل ایک مرتبہ قحط سالی میں پھنس گئے۔ اللہ کے حضور دعا کرتے رہے کہ بارش عطا ہو مگر دعا قبول نہ ہوئی جناب کلیم اللہ علیہ السلام سے عرض کی گئی کہ آپ ہماری سفارش کریں دعا قبول ہو بارش عطا ہو جناب کلیم نے بارگاہ قدس میں درخواست کی الٰہی دعا قبول فرمالے۔ جواب ملا کلیم انکی دعا قبول نہیں کرونگا کہ ان میں ایک بندہ چغل خور ہے کلیم اللہ عرض کرتے ہیں یا اللہ وہ بندہ مجھے بتادے میں اسے نکال دیتا ہوں جواب ملا کلیم جس کام سے مجھے نفرت ہے، وہی کام

خود کرنے لگ جاؤں مجھے غیبت سے نفرت ہے، جب بتاؤں گا کہ فلاں بندہ ایسا ہے اسے نکال دو تو یہ بھی غیبت ہی ہوگی۔

حقوق العباد کو پامال کرنا، لوگوں کے حق ادا نہ کرنا بھی ایسا عمل ہے جس سے دعا میں رکاوٹ ہو جاتی ہے دعا مانگنے سے بارگاہ قدس میں بندے کا قرب ہو جاتا ہے، دعا مانگنے سے بندے اور رب کے درمیان محبت پیدا ہو جاتی ہے، دعا مانگنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ادا ہو جاتی ہے ایک بھی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے اپنے رب قدوس سے کوئی دعا نہ مانگی ہو۔

دعا خود عبادت ہے دعا بارگاہ قدس تک پہنچنے کا بڑا مختصر راستہ ہے جو طویل نہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ یہ سبھی راستے بندے کو رب قدوس تک لے جاتے ہیں لیکن وقت لگتا ہے کچھ طویل ہیں، مگر دعا ایسا مختصر راستہ ہے۔ یا اللہ بیمار ہوں شفا دے دے، راستہ ختم ہو گیا بندہ اپنے رب سے باتیں کرنے لگ گیا۔ دعا مانگنا بندے کا کام ہے قبول فرمانا رب قدوس کا کام ہے اگر بندہ دعا کو قبول عدم قبول کے تصورات سے نکل کر صرف اور صرف رضاء الٰہی کیلئے دعا مانگے تو دعا مانگنا ایک عظیم درجہ ہے۔

دعا سے مشکلات حل ہوتی ہیں تقدیر بدلتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے بندہ جب اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلاتا ہے تو اللہ تعالیٰ حیا فرماتا ہے کہ اس کے ہاتھوں کو خالی واپس فرمائے۔ دعا مانگنے میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ بندے میں عجز پیدا ہوتا ہے اور تکبر ٹوٹتا ہے اور یہ عمل اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے کہ بندہ اپنے رب کے حضور عجز پیدا کرے اور تکبر سے بچے۔ قرآن مقدس نے انبیاء علیہم السلام سے بہت سی دعاؤں کا ذکر فرمایا ہے وہ قرآنی دعائیں پڑھنے کی عادت ڈال لی جائے تو بہت اچھا ہے۔ یہ دعائیں قبولیت کے زیادہ قریب ہوں گی۔ دعا مانگتے وقت اگر پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد اور آخر میں رسول اللہ ﷺ پر درود شریف پڑھا جائے تو دعا قبولیت کے قریب ہو جاتی ہے۔ دعا کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے پورے عقیدے اور ٹھوس ارادے سے سوال کیا جائے اور عرض کی جائے یا اللہ عطا کر یہ نہ، کہے یا اللہ تو چاہتا ہے تو دیدے۔

سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا لوگو! جب تم اللہ سے دعا کرو تو قبولیت کے یقین کے ساتھ دعا مانگو اللہ تعالیٰ غافل دل کی دعا قبول نہیں فرماتا۔ عجز وانکساری سے دعا مانگنے کا حکم اس طرح فرمایا گیا ہے ''ادعوار بکم تضرعا و خفیہ '' اپنے رب کے حضور عجز وانکساری اور آہستہ سے دعا کرو۔

پچھلی آیہ مبارکہ میں روزوں کا ذکر ہے اس سے اگلی آیہ مبارکہ میں روزوں کا ذکر ہے اور یہاں دعا کا ذکر فرمایا گیا۔ امام ابن کثیر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اس مقام پر دعا کا ذکر فرمانے کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ روزہ کے بعد دعا ہوتی ہے اس لئے دعا کا خاص اہتمام ہونا چاہئے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ''لصائم عند فطرۃ دعوۃ مستجابۃ '' روزہ افطار کرنے کے وقت روزہ دار کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اس حدیث شریف کو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ابوداؤد طیالسی نے بیان کیا ہے۔ اس روایت کی روشنی میں سیدنا عبداللہ بن عمر افطار کے وقت سارے گھر والوں کو جمع کر کے دعا فرمایا کرتے تھے۔

اس آیہ مبارکہ میں ''انی قریب'' کا ارشاد کہ لوگوں کو بتادو میں قریب ہوں کس قدر بندوں سے پیار ومحبت کا پیغام ہے میرے بندو! دکھوں، مصیبتوں، پریشانیوں میں گھر جاؤ تو اپنے حواس نہ کھو بیٹھنا میں تمہارے قریب ہوں۔ یہ ارشاد دکھوں، غموں کی جلتی آگ پر رحمت ومحبت کا پانی ہے جس سے سکون ملتا ہے یہ بھی ارشاد ہے تم دعا مانگو تو سہی دیکھو وہ قبول کیسے فرماتا ہے۔ اگر تم متکبر بن کر مانگتے ہی نہیں اس کے قریب ہونے کو جاتے ہی نہیں تو تمہاری غلطی ہے۔ تمہارے نفس وشیطان نے انہیں اپنے رب سے دور کر رکھا ہے

﴿دعا کے عنوان کی تفصیل مطلوب ہو تو اس حقیر کی کتاب ''ذوق دعا'' کا مطالعہ مفید رہے گا﴾

وَصلّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدِدِ خَلْقِہٖ

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٨٧﴾

صدق الله العظیم

تمہارے لئے رمضان کی راتوں میں بیویوں کے پاس جانا حلال کردیا گیا ہے وہ تمہارے لئے لباس ہیں اورتم ان کیلئے لباس ہو اللہ کوعلم ہے کہ تم اپنے نفسوں میں خیانت کرتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی اور تمہیں معاف کر دیا ، پس اب تم چاہو تو اُن سے مباشرت کر سکتے ہو اور جو اللہ نے تمہارے لئے مقدر کر دیا ہے اسکو طلب کرو اور کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ فجر کا سفید دھاگا (رات کے) سیاہ دھاگے سے واضح ہو جائے پھر روزہ کو رات آنے تک پورا کرو۔ اور جب تک مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہو تو بیویوں سے مباشرت نہ کرو یہ اللہ کی حدود ہیں ان کے قریب نہ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتیں لوگوں کیلئے بیان فرماتا ہے تاکہ بچتے رہیں (کہ حدود اللہ ٹوٹنے نہ پائیں۔)(۱۸۷)

تفسیر

اس آیہ مبارکہ میں رمضان شریف کی راتوں میں میاں بیوی کے ایک خصوصی تعلق کو حلال قرار دیدیا گیا اس آیہ کے اترنے سے پہلے یہ تعلق حرام کیا گیا تھا۔

پچھلی آیہ مبارکہ میں دعا قبول کرنے کا ذکر تھا اب فرمایا گیا: تم چاہتے تھے رمضان شریف کی راتوں

میں میاں بیوی کے ازدواجی تعلقات کو جائز قرار دیا جائے ہم نے تمہاری اس بات کو قبول کرلیا اور ان تعلقات کو رمضان شریف کی راتوں میں بھی جائز قرار دے دیا۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور کئی دوسرے صحابہ کرام سے یہ کام سرزد ہوگیا کہ انہوں نے رمضان مبارک کی راتوں میں اپنی بیویوں سے جماع کرلیا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت ﷺ میں اپنی اس کوتاہی کا ذکر کیا اور شرمسار ہوئے تو بعض دوسرے صحابہ نے بھی اپنی خطا پر معذرت کی۔

صبح تک کھانے کی اجازت کا واقعہ اس طرح ہوا، حضرت صرمہ بن قیس رضی اللہ عنہ نے روزہ کے ساتھ سارا دن کام کاج کیا افطاری کے وقت سو گئے جاگے تو کھانے سے معذرت کردی کہ اب اجازت نہ تھی۔ اسی حالت میں اگلا روزہ بھی آ گیا دوپہر کے وقت غشی ہوگئی انکی اہلیہ نے دربار رسالت ﷺ میں یہ سارا واقعہ پیش کردیا۔ حضور ﷺ کے قلب اطہر پر یہ واقعہ گراں گزرا اور چاہا کہ حکم میں تبدیلی واقعہ ہو، تو یہ آیہ کریمہ نازل ہوگئی جس میں صبح صادق تک کھانے پینے کی اجازت دیدی گئی۔ اور طلوع فجر کے بعد سحری کھانے کی ممانعت ہوگئی مساجد میں اعتکاف کی حالت میں بیویوں سے جماع کو منع فرمادیا گیا۔ اعتکاف کیلئے فقہاء نے فرمایا ایسی مسجد میں اعتکاف کیا جائے جس میں نماز باجماعت کا اہتمام ہو، اعتکاف واجب میں روزہ شرط ہے۔ نفلی اعتکاف میں روزہ شرط نہیں ہے۔ عورت گھر میں اعتکاف کیلئے جگہ خاص کرکے بیٹھ سکتی ہے۔ اعتکاف کی حالت میں ناجائز گفتگو سے بچا جائے۔ دین کی باتیں دینی کتب کا مطالعہ، اوراد و وظائف کی تلاوت میں مصروف رہے اور اس عقیدے سے ڈٹ کر عبادت میں مصروف رہے کہ ایک محتاج اپنے سخی کے دروازے پر ڈٹ کر بیٹھا ہے بغیر بھیک لئے اٹھے گا نہیں۔ کسی شرعی عذر کے بغیر مسجد سے نکلنا اعتکاف کو توڑ دیتا ہے۔ پیشاب، پاخانہ یا نماز جمعہ کے لئے جانا یہ شرعی عذر ہیں ان سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا

اعتکاف ایک حسین عبادت ہے، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بھی حکم دیا گیا تھا کہ میرے گھر کعبہ کو طواف کرنے اور اعتکاف بیٹھنے والوں کے لئے پاک اور صاف کرو۔ اعتکاف ایسی عبادت ہے کہ یہود و نصاریٰ

کی طرح رہبانیت بھی نہیں کہ گھر والوں سے لاتعلق ہو کر جنگلوں میں چلا جائے یہ ترک دنیا بھی ہے اور رب قدوس سے وابستگی بھی ہے یہ عبادت صدق دل سے اخلاص و محبت سے ہو تو حسین تر عبادت ہے اور بندے کا رب سے بہترین تعلق ہے۔

اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت کو ایک دوسرے کا لباس فرمایا ہے جس میں کئی حکمتیں نظر آتی ہیں۔

☆ لباس میں زینت ہے حُسن ہے مرد عورت کیلئے عورت مرد کیلئے زینت ہے۔لباس آرام دہ شی ہے گرمی سردی سے بچاتا ہے عورت کو چاہئے کہ مرد کے آرام وسکون کا خیال کرے مرد کو چاہئے عورت کے آرام و سکون کو ملحوظ رکھے۔

☆ لباس میں پردہ ہے دونوں میاں بیوی کو چاہئے کہ ایک دوسرے کے نقائص پر پردہ ڈالیں اعزاو اقربا میں ڈھنڈورا نہ پیٹیں۔لباس میلا ہو جائے تو پھینکا نہیں جاتا بلکہ دھو کر پھر پہن لیا جاتا ہے ایسے ہی اگر میاں بیوی کسی نقص خرابی میں مبتلا ہو جائیں اور یہ لباس میلا ہو گیا ہے تو طلاق تک نوبت نہیں آنی چاہئے۔ یہ دونوں گھر میں ہی اکٹھے بیٹھ کر غلط فہمیوں کو دور کر کے یہ لباس صاف کر لیں۔

☆ اگر دونوں اکٹھے بیٹھ کر لباس صاف نہ کر سکیں تو پھر دھوبی کے ذریعہ سے صاف کرالیا جائے اس لباس کو صاف کرنے کیلئے میاں بیوی کے ماں باپ،اعزاء اقربا بہترین دھوبی ثابت ہو سکتے ہیں۔کہ وہ بیٹھ کر غلطیاں دور کر دیں اور مصالحت کرا کے یہ لباس صاف کر دیا جائے۔

☆ لباس میں ایک بات اور بھی دکھائی دیتی ہے لباس اپنے ملک کا ہی اچھا لگتا ہے بعض نوجوان جو بیرون ممالک غیر ملکی خواتین سے شادیاں رچانے کے دلدادہ ہیں،وہ ایک غیر ملکی لباس ہے جو عموماً اجنبیت کا شکار ہوتا رہتا ہے۔اور حالات بگڑتے رہتے ہیں۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلىٰ حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ صدق اللہ العظیم

اور ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق نہ کھاؤ اور نہ (بطور رشوت) وہ مال حاکموں کو دو تا کہ تم جان بوجھ کر لوگوں کا کچھ مال گناہ کے ساتھ کھاؤ۔(۱۸۸)

تفسیر

اس آیہ مبارکہ میں ایک دوسرے کے مال کو ناحق کھانے کی مذمت فرمادی گئی ہے، اوران کے جھوٹے مقدمہ کو حکام کے ہاں اس غرض سے مت لیجاؤ کہ مال کا ایک حصہ گناہ، ظلم کے ذریعہ کھاؤ جب کہ تمہیں اپنے جھوٹ اور ظلم کا پتہ بھی ہو۔

اس ارشادگرامی میں حرام طریقوں سے مال بنانے کی مذمت فرمائی گئی ہےاور رزق حلال کی توجہ دلائی گئی ہے ''یاایھاالناس کلوا مما فی الارض حلالا طیبا' اے لوگو! زمین کی چیزوں سے حلال اور طیب کھاؤ۔دوسری جگہ پر قرآن مقدس نے اسی عنوان کواس طرح بیان فرمایا ہے'' فکلوا مما رزقکم اللہ حلالا طیبا '' جواللہ نے تمہیں رزق حلال دیا ہےاس سے کھاؤ۔

اگر چہ یہاں پر صرف حرام کھانے کی مذمت ہے مگر اسلامی ضابطہ میں حرام کھانا، حرام پہننا، حرام پینا حرام کے مال سے تیار کردہ مکان میں رہنا، لوگوں سے حرام مال سے لین دین، تعلقات، ان تمام صورتوں کی مذمت ہے۔

اس ارشادگرامی کا شان نزول اس طرح ہے، صحابہ کرام میں دو صحابہ کا آپس میں زمین پر جھگڑا ہو گیا مقدمہ دربار رسالت میں پہنچا، مدعی کے پاس گواہ نہ تھے حضور ﷺ نے شرعی ضابطہ کے مطابق مدعا علیہ کو حلف اٹھانے کا حکم دیا۔وہ حلف اٹھانے پر آمادہ ہو گیا اس وقت حضور ﷺ نے انہیں وہ حکم سنایا قسم کھا کر مال حاصل کرنے پر وعید ہے جب قسم اٹھانے والے صحابی نے یہ وعید سنی تو قسم اٹھانے کو ترک کر دیا اور زمین

مدعی کے حوالے کردی اس واقعہ پر یہ آیہ نازل ہوئی جس میں ناجائز طریقہ پر کسی سے مال حاصل کرنے کو حرام قرار دیا گیا اور آیہ مبارکہ کے آخر میں جھوٹا مقدمہ بنانے، جھوٹی قسم کھانے، جھوٹی شہادت دینے پر سخت وعید آئی ہے۔''و تدلو بھا الی الحکام'' فرما کر ممانعت فرمادی گئی کہ چھوٹے موٹے مقدمات بنا کر حکام تک نہ لے جاؤ کہ اس ذریعہ سے لوگوں کا حق کھاؤ جبکہ تمہیں علم ہے کہ مقدمہ جھوٹا ہے۔اگر کسی نے کسی غلط فہمی پر مقدمہ عدالت میں دائر کردیا تو وہ اس وعید میں شامل نہیں۔

اگر کوئی شخص دھوکا، فریب یا جھوٹی گواہی کی بناء پر دوسرے کا مال عدالت سے حاصل کرلے تو اس کا وبال اس کی گردن پر ہوگا۔اور کوئی جھوٹی گواہیوں سے مقدمہ جیت لیتا ہے تو یہ مال بدستور اس پر حرام رہے گا کہ جھوٹی گواہی سے جیتا ہے۔

رزق حلال کا حاصل کرنا ضروری ہے اگر رزق حرام استعمال ہوتا ہے تو اعمال کا اخلاق پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔حرام خور آدمی سے اعمال صالحہ کا صدور مشکل ہوجاتا ہے۔حضور ﷺ کی مقدس تعلیمات میں حرام سے بچنے، حلال کھانے کے سلسلہ میں بہت سے ارشادات ملتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا اگر تمہارے اندر چار خصلتیں ہوں تو کافی ہیں۔امانت کی حفاظت ہو، سچ بولا جائے، اخلاق اچھے ہوں، کھانے میں حلال کا اہتمام ہو۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ سے عرض کی یارسول اللہ ﷺ دعا فرمادیں میری دعائیں قبول ہوا کریں۔تو فرمایا اپنا کھانا حلال اور پاک بنالو، مستجاب الدعوات ہوجاؤ گے۔

اور فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے بندہ جب اپنے پیٹ میں حرام لقمہ ڈالتا ہے تو چالیس روز تک اس کا عمل قبول نہیں ہوتا۔ایک اور حدیث شریف میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا بندہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوتا جب تک دل اور زبان مسلمان نہ ہوجائیں۔اور جب تک اس کے

پڑوسی اس کی تکالیف سے بچ نہ جائیں جب کوئی بندہ مال حرام کماتا ہے پھر اسکو صدقہ کرتا ہے تو وہ قبول نہیں ہوتا اگر اس مال حرام سے خرچ کرتا ہے تو برکت نہیں ہوتی اگر مال حرام وارثوں کیلئے چھوڑتا ہے تو یہ مال جہنم کی طرف جانے کیلئے اس کا توشہ ہے۔ اس حدیث شریف کو سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ (معارف ص463 ج1)

اس عنوان کی تائید میں ایک اور حدیث شریف ملتی ہے جسے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کیا، حضور ﷺ نے فرمایا ''ماتزال قدما عند یوم القیامة حتی یسال عن اربع '' ''قیامت کے دن کوئی بندہ اپنی جگہ سے ہل نہ سکے گا جب تک اس سے چار سوالوں کے جوابات نہ لے لئے جائیں''۔

☆ پہلا سوال ہوگا کہ تو نے اپنی عمر کس کام میں برباد کی؟

☆ دوسرا سوال ہوگا اپنی جوانی کس شغل میں فنا کی؟

☆ تیسرا سوال ہوگا اپنا مال کہاں سے کمایا کہاں خرچ کیا؟

☆ چوتھا سوال ہوگا اپنے علم پر کہاں تک عمل کیا؟

وَصلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدَدِ خَلْقِہٖ

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾ وَقَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾

صدق اللہ العظیم

لوگ آپ سے چاند کے متعلق دریافت کرتے ہیں آپ کہیے یہ لوگوں کے (دینی ، دنیاوی کاموں) اور حج کے اوقات کی نشانیاں ہیں اور یہ کوئی نیکی کا کام نہیں کہ تم گھروں میں پیچھے سے داخل ہولیکن نیکی اس شخص کی ہے جوتقویٰ اختیار کرے اور گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو، اور اللہ سے ڈروتا کہ تم کامیابی حاصل کرو۔(۱۸۹) اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جوتم سے جنگ کرتے ہیں، زیادتی نہ کرو بے شک اللہ حد سے زیادتی کرنے والوں کو پسندنہیں فرماتا۔(۱۹۰)

تفسیر

پچھلی آیات مبارکہ میں رمضان شریف اوراعتکاف کاذکر ہوا ہے۔رمضان شریف اوراعتکاف دونوں کاتعلق چاند سے ہے اس آیہ مقدسہ میں چاند کے بڑھنے گھٹنے کے سوال پر جواب ہے، حج کا ذکر ہے کہ حج بھی رمضان شریف کی طرح سال میں ایک مرتبہ ہی آتا ہے۔

کچھ لوگ آپ سے چاند کے بڑھنے گھٹنے کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ یہ کیوں ہے؟ تو آپ کہہ دیجئے کہ چاند کے بڑھنے گھٹنے میں فائدہ یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے معاملات میں اوقات پہچاننے کی آسانی ہے۔گویا چانداوقات پہچاننے کا آلہ ہے۔اس چاند کے بڑھنے گھٹنے میں فائدہ یہ ہے کہ تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔چاند پرستوں کو ہدایت بھی ہے جو خود گھٹتا رہتا ہے وہ تمہاری مدد کیا کرسکتا ہے۔

اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ اسلامی احکام، روزہ، زکوٰۃ، حج، عدت یہ سارے مسائل چاند کی تاریخ سے ہی متعلق ہیں، سورج سے نہیں۔ نیز اس جواب سے یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ چاند کے بڑھنے گھٹنے سے تمہیں اپنے دینی دنیاوی کاموں سے جو غرض ہے وہی ذہن میں رکھیں۔

پچھلی آیات مبارکہ میں رمضان اور اعتکاف کا ذکر تھا اب اس ارشاد گرامی میں حج اور اس کے مسائل فرمائے گئے ہیں۔

اس آیہ مقدسہ کے پہلے حصہ یسئلونک سے والحج تک کا شان نزول یہ ہے ایک موقعہ پر حضرت معاذ بن جبل اور ثعلبہ بن غنم رضی اللہ عنہما نے حضور ﷺ سے سوال عرض کیا، حضور! چاند کا کیا حال ہے ابتدائی تاریخوں میں باریک ہوتا ہے پھر بڑھتا جاتا ہے اور پھر آخر میں گھٹتے گھٹتے پہلے کی طرح ہو جاتا ہے۔ تو یہ ارشاد نازل ہوا کہ لوگوں کو اپنے معاملات میں اوقات پہچاننے کی آسانی ہے۔

اسی آیہ مبارکہ کے دوسرے حصہ ولیس البر سے آخر تک کا شان نزول یہ ہے کہ دورِ جاہلیت میں لوگ احرام باندھ کر اپنے گھروں کو دروازوں سے نہیں آتے جاتے تھے بلکہ مکانوں کے پیچھے سے دیوار توڑ کر داخل ہوتے۔

چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمت بیان فرمانے کے ساتھ ساتھ دور جاہلیت کی اس رسم کی تردید بھی فرما دی کہ احرام باندھنے کے بعد مکانوں کے پیچھے سے آنا جانا بھلائی نہیں۔ بلکہ ایک بے کار سا کام ہے نیکی تو یہ ہے کہ گناہوں سے بچا جائے نیک تو وہ ہے جو گناہوں سے بچے، گھروں میں تو دروازوں سے ہی آؤ جاؤ مگر اللہ سے ڈرتے رہا کرو کہ تمہیں کامیابی نصیب ہو۔

سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ کی اُمت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے اپنے نبی کریم ﷺ سے سوالات بہت کم کئے ہیں۔ دوسری امتوں کی طرح اپنے پیغمبر (ﷺ) کو پریشان نہیں کیا۔

قرآن مقدس نے اس اُمت کے سوالات کومختلف مقامات پر ذکر فرمایا ہے، یہ کل سوالات 14 ہیں آٹھ سوالات تو سورہ بقرہ میں ہیں،ایک سورہ مائدہ میں کیا کیا چیزیں حلال ہیں؟ایک سورہ انفال میں کہ انفال کا مصرف کیا ہے ۔؟ایک سورہ بنی اسرائیل میں کہ روح کیا ہے ۔؟ ایک سورۂ کہف میں ہے کہ ذوالقرنین کے حالات کیا ہیں؟ ۔ایک سورہ طہ میں پہاڑوں کے متعلق ،ایک سورہ نازعات میں قیامت کے بارہ میں ہے۔

''وقاتلو فی سبیل اللّٰہ'' یہ آیہ مبارکہ جہاد کے بارہ میں پہلی آیہ مبارکہ ہےاوراللہ کی راہ میں ان سے جنگ کروجوتم سے جنگ کرتے ہیں اورحد سے تجاوز نہ کرو۔اس آیہ مبارکہ میں لڑنے والے کفار سے جنگ کا حکم ہے۔جوکفارتم سے نہ لڑیں توان سے نہ لڑوسورہ توبہ کے نازل ہونے کے بعد یہ پابندی ختم ہوگئی۔مثال کے طور پر یہ بات اس طرح سمجھی جاسکتی ہے۔بچھو،سانپ نہ ڈسیں تو انہیں نہ مارو ایسا نہیں ہے،سانپ نہ بھی ڈسے تو اسے مارنے کا حکم ہے کہ یہ موقعہ پاکر ضرور ڈسے گا۔ایسے ہی کفار میں ہے کہ یہ کبھی مسلمانوں کو معاف نہیں کریں گے،جب بھی موقعہ پائیں گے لڑیں گے۔

کچھ لوگوں کا یہ تصور کہ جنگ دفاعی درست ہے ابتدائی غلط ہے۔ان کا یہ نظریہ درست نہیں اسلام نے کفار سے دونوں جنگوں کی اجازت دے رکھی ہے۔وہ دفاعی ہو یا ابتدائی۔تجاوز نہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ کفار کے بچوں، بوڑھوں،عورتوں کوقتل نہ کرو، اگرتم نے بچوں، بوڑھوں،عورتوں کوقتل کیا تو تجاوز کرنے والے ہوگے۔

وَصلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدِدِ خَلْقِہٖ

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۗ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩١﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٩٢﴾

صدق اللہ العظیم

اور تم (ان کافروں) کو قتل کرو جہاں انہیں پاؤ اور ان کو نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے۔اور فتنہ (شرک وکفر) قتل سے بڑھ کر ہے۔اور مسجد حرام کے پاس ان سے اس وقت تک جنگ نہ کرو جب تک یہ تم سے وہاں جنگ نہ کریں اگر یہ تم سے جنگ کریں تو تم انہیں قتل کردو، اسی طرح کافروں کی سزا ہے۔(۱۹۱) پھر اگر وہ (کفر سے) باز آجائیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔(۱۹۲)

تفسیر

پچھلی آیہ مبارکہ میں حج کا ذکر تھا جو مکہ مکرمہ میں ہوتا ہے اُس وقت یہ مقدس شہر کفار کے قبضہ میں تھا اور ان سے جنگ کئے بغیر حج کی ادائیگی مشکل تھی۔اس آیہ کریمہ میں جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔اس طرح بھی ربط ہے کہ حج میں بھی مالی قربانی ہے وطن سے دوری ہے اور جنگ میں بھی مالی، جانی قربانی پیش کرنا پڑتی ہے۔

حضرت ربیع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جہاد کے بارہ میں یہ آیہ کریمہ پہلی آیہ ہے ایک وقت تھا کہ مسلمانوں کو حکم تھا کہ کفار کے مصائب برداشت کریں، جواب نہ دیں۔اس آیہ کریمہ میں حکم دیا گیا ہے کہ جو تم سے لڑے تم بھی اس سے جنگ کرو یہ دفاعی حکم تھا کہ اگر کفار جنگ کریں تو تم بھی کرو، پہل کرنے کی اجازت نہ تھی۔

اس کے بعد دوسری آیہ کریمہ ''اقتلو المشرکین'' نازل ہوئی جس سے یہ بات ختم ہوگئی کہ وہ لڑیں تو لڑو۔اب اسلام نے کفار سے لڑنے کا عام حکم دیدیا ہے۔دفاعی طور پر لڑو تو بھی جائز، اگر کفار سے جنگ

کرنے میں تم ابتداء کرلوتو بھی جائز ہے کہ وہ دین کا دشمن ہے۔ جونہی موقع پائے گا قتل کرے گا۔ مسلمانو! اس فتنہ کوختم کرنے کیلئے تم ابتدائی طور پر بھی حملہ کرسکتے ہو۔

شان نزول میں ایک اور روایت بھی ملتی ہے کہ جب حضور ﷺ مدینہ منورہ سے عمرہ کرنے کی غرض سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو مشرکین نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا حضور ﷺ اور قریش مکہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا کہ اس سال تو نہیں، اگلے سال عمرہ کیلئے آجائیں یہ معاہدہ مقام حدیبیہ پر ہوا، چنانچہ حضور ﷺ اگلے سال چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ کیلئے تشریف لائے، مسلمانوں کو خطرہ محسوس ہوا کہ کفار بے وفائی کر کے جنگ نہ کریں، اگر ایسا ہو گیا تو مسلمان کیا کریں گے کہ ماہ حرام ''ذی قعدہ شریف'' میں جنگ اور پھر احرام کی صورت میں جنگ تو شدید گناہ ہے۔ کفار کی طرف سے جنگ چھیڑ دی گئی تو مسلمان کیا کریں گے۔ تو اجازت دے دی گئی کہ اگر وہ جنگ کریں تو تم بھی اُن سے اللہ کی راہ میں لڑو کہ یہ لوگ دین کی مخالفت کرتے ہیں۔

وَصلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدَدِ خَلْقِہٖ

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۖ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩٣﴾ صدق اللہ العظیم	اور ان سے یہاں تک لڑو کہ (کفروشرک کا) کوئی فتنہ نہ رہ جائے اور صرف اللہ ہی کا دین رہ جائے۔ پھر اگر وہ شرک سے باز آجائیں تو صرف ظالموں کو ہی سزا دی جائے گی۔(۱۹۳)

تفسیر

اس آیہ کریمہ میں مسلمانوں کو کفار ومشرکین سے اس حد تک جنگ کرنے کا حکم دیا جارہا ہے کہ کفروشرک کا فتنہ ختم ہو جائے اور دین صرف اسلام ہی اسلام رہ جائے۔ ہاں اگر یہ لوگ بے دینی سے رک جائیں اور اسلام کے خلاف جارحیت ختم کردیں تو پھر ان پر کسی قسم کی دست درازی نہ کرو البتہ ظالموں کو سزا ضرور دو

اللہ کے دین کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کے تمام معاملات میں وہ دینی ہوں یا دنیاوی اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کریں، اسی کے بتائے ہوئے طریقہ پر ہی اسکی عبادت کریں، اُسی کو اپنا خالق و مالک مانیں۔ اگر کوئی بندہ اس تحریک کے خلاف ہو تو اس سے جہاد کیا جائے یہاں تک کہ وہ مطیع ہو جائے۔

اس عنوان کی تائید میں حضور ﷺ کا وہ ارشاد گرامی زبردست مؤید ہے جسے امام بخاری علیہ الرحمہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں ”مجھے اس وقت تک لوگوں سے قتال کا حکم دیا گیا ہے جب تک وہ یہ گواہی نہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں، زکوۃ ادا کریں جب وہ ایسا کریں گے تو حق اسلام کے ماسوا وہ اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کرلیں گے اور ان کا حساب اللہ پر ہے“

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ
قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا
عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾
وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا
بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ
اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾

صدق اللہ العظیم

حرمت والے مہینہ کا بدلہ حرمت والا مہینہ ہے اور تمام محترم چیزوں کا بدلہ ہے جو شخص تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اللہ ان کے ساتھ ہے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ (۱۹۴) اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو بے شک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (۱۹۵)

تفسیر

اس آیہ مبارکہ میں مسلمانوں سے فرمایا جا رہا ہے اگر قضاء عمرہ کے وقت کفار بدعہدی کریں اور جنگ پر آمادہ ہو جائیں تو پھر تم بھی ان سے جنگ کرو اگر وہ یہ کہیں کہ تم نے جنگ کر کے ماہ ذی قعدہ کی بے حرمتی کی ہے تو انہیں جواب دو ان مہینوں کی حرمت بدلے کی ہے تم ان مہینوں کا احترام کرو گے تو ہم بھی کریں گے۔ اگر تم احترام نہیں کرو گے اور جنگ لڑو گے تو پھر ہم بھی پیچھے نہیں رہیں گے تمہارے ساتھ جنگ لڑیں گے پھر یہ ضابطہ صرف ماہ حرام پر ہی کیوں؟ ساری حرمتیں، ساری عزتیں بدلہ کی ہیں۔ اگر تم پر کوئی زیادتی کرے تو تم بھی جواب دو مگر یہ بات سامنے رہے کہ دشمن کو جواب دینے میں حد سے نہ بڑھ جانا ورنہ تم ظالم ہو گے ہر حالت میں اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کا مددگار ہے۔

7ھ میں جب حضور ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ فوت شدہ عمرہ ادا کرنے کیلئے مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ فرمایا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ذہنوں میں یہ بات گئی کہ کفار نے بے وفائی کر لی اور جنگ شروع کر دی تو کیا ہوگا؟ ذیقعد حرمت کا مہینہ ہے تو یہ آیہ نازل ہوئی کہ جیسے حرم مکہ کی حرمت سے حالت دفاع مستثنیٰ ہے اسی طرح اگر کفار حرمت کے مہینوں میں جنگ شروع کر دیں تو ہم کو بھی ان سے دفاعی جنگ لڑنا جائز ہے۔

ذی قعدہ، ذی الحج، محرم اور رجب ان چاروں مہینوں میں اسلام سے پہلے بھی جنگ کو حرام سمجھا جاتا تھا اور مشرکین مکہ بھی اس کے پابند تھے۔ ابتداء اسلام میں بھی 7ھ تک یہی قانون رہا ہے۔ اس لئے صحابہ کرام کو یہ اشکال پیش آیا اس کے بعد یہ حرمتِ قتال منسوخ کر کے عام قتال کی اجازت دیدی گئی مگر افضل اب بھی ہے کہ ان چار مہینوں میں جنگ کی ابتدا نہ کی جائے ہاں اگر کفار شروع کر دیں تو دفاع کیا جائے اس صورت میں یہ بھی کہہ دیا جائے تو درست ہوگا کہ ان مہینوں کی حرمت منسوخ نہیں۔ یہ بالکل ایسے ہی ہوگا جیسے حرم مکہ میں دفاعی جنگ کی اجازت سے حرم مکہ کی حرمت منسوخ نہیں ہوئی۔

وانفقوا فی سبیل اللہ جہاد کیلئے مال خرچ کرنے کا حکم دیا جارہا ہے کہ جہاد میں بقدر ضرورت اپنے مالوں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو اس ارشاد سے یہ بھی معنی لیا گیا ہے کہ مسلمانوں پر زکوۃ کے علاوہ بھی کچھ حقوق فرض ہیں۔ اگرچہ ان کا نصاب مقرر نہیں مگر حسب ضرورت حسب توفیق یہ انتظام کرنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔

گزشتہ آیات مبارکہ میں احکام کی ایک فہرست نمایاں نظر آتی ہے۔ مثلاً قصاص کا حکم، وصیت کا حکم وصیت ایک تہائی مال سے زیادہ جائز نہ ہونے کا حکم، روزہ کی فرضیت کا حکم، مال کے اچھے برے ذرائع اور اچھائی برائی کے معیار کا حکم، رسوم جاہلیت کی اصلاح کا حکم، جہاد اور قتال کا حکم" انفقو فی سبیل اللہ " یہ بھی ایک حکم ہے، جہاد کے موقعہ پر اللہ کی راہ میں خرچ کرو، ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکہ یہ بھی احکام کی فہرست میں ایک حکم ہے کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو کا ایک معنی یہ ہے کہ جہاد کو نہ چھوڑو جہاد سے روگردانی اپنے آپکو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے پوری عمر جہاد میں گزاردی ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے گناہوں کی وجہ سے اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا بھی اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں حد سے زیادہ خرچ کرنا کہ بیوی بچوں کے حقوق ضائع ہوں یہ بھی اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اس آیہ مبارکہ میں آخری حکم ہے "واحسنوا" نیکی کرو، احسان کرو۔ عبادت میں احسان کرنا بھی ہے، جیسے حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے" صل کانك تراہ" نماز ایسے پڑھ جیسے تو خدا کو دیکھ رہا ہے اگر یہ درجہ حاصل نہ ہو تو کم از کم یہ نظریہ تو ہو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے احسان کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ لوگوں سے معاملات میں احسان ہو، جیسے حضور ﷺ کا ارشاد ملتا ہے کہ تم لوگوں کیلئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو اور جس چیز کو تم اپنے لئے بُرا جانتے ہو دوسروں کیلئے بھی برا سمجھو۔ (تفسیر مظہری) ایک معنی بھی کیا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا جائے۔ ایک معنی یہ بھی ہے کہ گناہوں سے توبہ نہ کرنا، یہ بھی اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، بلاوجہ کسی سے عداوت رکھنا بھی اپنے آپ کو

ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ تبلیغ اسلام کو ترک کرنا بھی اپنے آپکو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ عکرمہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں حرام مال سے صدقہ کرنا بھی ہلاکت ہے، ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ ریا کاری اور احسان جتا کر اپنی نیکیوں کو برباد کرنا بھی ہلاکت ہے۔ ان تمام معانی میں سب سے اہم معنی یہ ہے کہ جہاد کو ترک کیا جائے اور اسلامی تبلیغ کو بند کر دیا جائے۔ یہ صورتیں شدید ترین ہلاکت ہیں۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۚ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۗ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۟

صدق اللہ العظیم

اور حج اور عمرہ کو اللہ کیلئے پورا کرو سو اگر تم کو (حج یا عمرہ) سے روک دیا جائے تو جو قربانی تم کو آسانی سے حاصل ہو وہ بھیج دو اور جب تک قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے اس وقت تک اپنے سروں کو نہ منڈاؤ، پس جو شخص تم سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو وہ اس کے بدلہ روزے رکھے یا کچھ صدقہ دے یا قربانی کرے سو جب تم حالت امن میں ہو، جو شخص حج کے ساتھ عمرہ ملائے تو وہ ایک قربانی کرے جس کو وہ آسانی کے ساتھ کر سکے اور جو قربانی نہ کر سکے تو وہ تین روزے ایام حج میں رکھے اور سات روزے جب تم لوٹ آؤ یہ کامل دس (روزے) ہیں۔ یہ (حج تمتع کا حکم) اس شخص کیلئے ہے جس کے اہل و عیال مسجد حرام (مکہ مکرمہ) کے رہنے والے نہ ہوں اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (۱۹۶)

تفسیر

اس آیہ مبارکہ میں حج اور عمرہ کے بارہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ مقام جعرانہ میں تھے یہ مقام مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ہے، طائف سے مکہ مکرمہ آنے والے لوگ یہیں سے عمرہ کا احرام باندھتے ہیں ایک شخص بارگاہ رسالت میں اس حالت میں حاضر ہوا کہ جبہ پہنے اور خوشبو لگائے ہوئے تھا۔عرض کی حضور(ﷺ) عمرہ کیسے ادا کروں یہ محرم تھا مگر لاعلمی کی وجہ سے سلے کپڑے پہنے اور خوشبو لگائے ہوئے تھا اس کے اس سوال پر یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی۔

حضرت یعلی (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں مجھے یہ شوق تھا کہ کبھی حضور ﷺ پر وحی اترنے کی حالت دیکھوں، عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے یعلی! اگر حضور ﷺ پر وحی اترنے کی حالت دیکھنا چاہتے ہو تو آؤ تمہیں دکھاؤں میں قریب ہوگیا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے چہرہ مبارک سے چادر ہٹائی میں نے چہرہ انور کی زیارت کی اس وقت حضور ﷺ خرّاٹے لے رہے تھے۔جب یہ حالت ختم ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا سائل کہاں ہے؟ اُسے بلا کر فرمایا خوشبو دھو ڈال اور جُبہ اتار دے۔اَن سلے کپڑے پہن جو حج میں کرتا ہے عمرہ میں کر۔

اس آیہ مبارکہ میں پہلا حکم تو یہ دیا گیا ہے کہ حج اور عمرہ کو پورا کیا جائے۔اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ بہتر صورت یہ ہے کہ حج اور عمرہ اکٹھے کئے جائیں اسے ''قِـران'' کہا جاتا ہے جو افضل ہے اس صورت کی افضلیت کے باعث بہت سے لوگ یہ سعادت حاصل کرتے ہیں، احرام باندھتے وقت ''قِـران'' کی نیت ہو اور عمرہ مکمل کرنے پر احرام نہ کھولا جائے اسی حالت میں حج پر روانہ ہو اور حج کے احکام پورے کرنے کے بعد احرام کھولا جائے۔

اسی آیہ پاک میں دوسرا حکم یہ دیا گیا ہے، اگر احرام باندھ کر بیماری یا دشمن کی وجہ سے تم حج،عمرہ نہ کر سکو تو جو بھی ہدی آسان ہو واجب ہے، اونٹ، گائے، بکری جو بھی مل سکے کسی ذریعہ سے حرم بھیج دو اور لے جانے

والے سے کوئی تاریخ مقرر کرلو کہ وہ وہاں پہنچ کر آپ کا جانور ذبح کردے گا تو تم اس وقت تک احرام نہ کھولو وہ تاریخ وقت آجائے تو سر منڈالو۔ہاں وہ شخص جو سخت بیمار ہوجائے کہ بغیر سر منڈائے اُسے سکون نہ ہوسکے تو وہ پہلے ہی سر منڈالے اوراس کے عوض تین روزے رکھ لے یا چھ مسکینوں کو آدھا آدھا صاع صدقہ کردے یا گائے ،اونٹ بکری ذبح کردے، مقررہ تاریخ سے پہلے احرام کھولنے کا جو کفارہ ہے وہ یہیں ادا کیا جائے۔

آیہ مبارکہ میں ''لِلّٰهِ'' کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ حج وعمرہ کی ادائیگی میں سیر، تجارت، ملاقات ایسے امور سے ذہن پاک وصاف ہواور اخلاص ہو جو ہر عمل میں ضروری ہے یہاں خصوصا پیش نظر رہے کہ دور جاہلیت میں لوگ حج پر آتے تو محض میلہ یا تجارتی منڈی سمجھ کر آتے۔سیر وتفریح کا نظریہ ہوتا اس نظریہ کی تردید فرمائی جارہی ہے کہ حج کی ادائیگی میں خلوص، اللہ کی رضا پیش نظر رہے۔

اس آیہ مبارکہ میں ارشاد گرامی ''محلّه'' سے واضح ہورہا ہے کہ احصار کی قربانی حرم میں ہی ذبح ہوسکتی ہے۔آیہ مبارکہ میں ''استیسر'' سے واضح ہوتا ہے، قربانی بکری کی بھی ہوسکتی ہے۔اس آیہ مبارکہ میں سر منڈانے کی صراحت سے پتہ چلتا ہے کہ بال کٹوانے کی نسبت سر منڈانا افضل ہے۔حدیث شریف میں اس مسئلہ کی تائید اس طرح بھی ملتی ہے۔حضور ﷺ نے سر منڈانے والوں کیلئے تین بار اور بال کتروانے والوں کیلئے ایک بار دعا فرمائی نیز حضور ﷺ نے احرام کھولتے وقت اپنا سر پاک منڈایا تھا۔

حج وعمرہ کا فرق

حج کا معنی ''قصد'' اور ''ارادہ'' کے آتے ہیں کہ بیت اللہ شریف کی حاضری کا ارادہ ہوتا ہے۔حج کا معنی ''سال'' کا ہے کہ یہ فریضہ سال میں ایک بار ہوتا ہے۔عمرہ ایک ایسی عبادت ہے جو عمر بھر میں کسی وقت بھی کی جاسکتی ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عمرہ کا معنی ''آبادی'' ہو کہ سال بھر ادا ہوتا ہے اور اس وجہ سے بیت اللہ شریف کی آبادی رہتی ہے۔اسی بناء پر اسے عمرہ کہا جاتا ہے۔حج فرض ہے عمرہ سنت ہے۔حج وعمرہ کو ایک ساتھ ادا کرنا افضل ہے۔اسے ''قِران'' کہتے ہیں۔

حج کی اقسام

پہلی قسم: حج ''افراد'' ہے صرف مناسک حج ادا کیے جائیں اس سے پہلے عمرہ نہ کیا جائے یہ صرف مکہ مکرمہ میں رہنے والوں کیلئے ہے۔

دوسری قسم حج ''تَمتُّع'' ہے۔ میقات (میقات وہ جگہ ہے جہاں سے حرم کی زیارت کرنے والے کیلئے بغیر احرام کے گزرنا ناجائز ہے، مختلف طرفوں سے میقات بھی مختلف ہیں پاکستانیوں کا میقات یلملم ہے) سے احرام باندھ لیا جائے اور عمرہ کرنے کے بعد سر منڈا کر احرام کھول دیا جائے۔ پھر ۸/ ذوالحجہ کو حج کا احرام باندھ لے اور مناسک حج ادا کرنے کے بعد احرام کھول دے۔

تیسری قسم حج ''قِران'' ہے۔ میقات سے احرام باندھ کر عمرہ کیا جائے اور احرام کھولا نہ جائے پھر اسی احرام کے ساتھ حج کے مناسک ادا کئے جائیں۔ منیٰ عرفات مزدلفہ کی حاضری اسی احرام سے ہو، مناسک حج پورے کرنے کے بعد سر کے بال منڈوا کر یا کٹوا کر احرام کھول دیا تو یہ حج ''قِران'' ہے۔

حج قران اور حج تمتع یہ دونوں باہر سے آنے والے حجاج کیلئے ہیں، حج افراد مکہ مکرمہ کے رہائشی لوگوں کیلئے ہے۔ حج وعمرہ کے تفصیلی احکام و مسائل کا جائزہ مطلوب ہو تو اس فقیر کی کتاب ''راہنمائے حج'' مفید رہے گی جو مختصر بھی ہے اور جامع بھی۔

حج کے فضائل

اسلام کے اس اہم فریضہ حج کے بہت سے فضائل درج ہیں۔ تمام عبادات میں اطاعت کو غلبہ ہے مگر اس عظیم عبادت حج میں ''عشق'' کو غلبہ ہے۔ اَن سلا لباس پہننا، خدا کو پانے کیلئے گھر بار چھوڑ کر جانا، اے اللہ حاضر ہوں اے اللہ حاضر ہوں کا بار بار دہرانا، حجامت بنوانے، خوشبو لگانے، بیوی کے پاس جانے سے رُکا رہنا، کعبہ شریف کے گرد گھومنا منیٰ، عرفات، مزدلفہ کی دیوانہ وار حاضری، شیطان کو کنکر مارنا، جانوروں کا

ذبح کرنا، یہ سارے معاملات ایسے ہیں جن میں عشق ومحبت کا غلبہ نمایاں دکھائی دیتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا حج وعمرہ اکٹھا کرو، یہ دونوں فقر اور گناہ کو مٹا دیتے ہیں۔اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ اس کی ادائیگی سے عام گناہ تو معاف ہوتے ہی ہیں مگر حقوق العباد کی کوتاہیاں بھی اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔

حج کے فرائض

(۱)احرام باندھنا (۲)عرفات میں ٹھہرنا (۳)طواف زیارت

ان میں سے کوئی ایک بھی رہ گیا تو حج نہ ہوا۔

حج کے واجبات

(۱)مزدلفہ میں ٹھہرنا (۲)صفامروہ کی سعی کرنا (۳)جمرات کو کنکر مارنا

(۴)طواف وداع کرنا (۵)سر منڈانا

اگر ان احکام میں سے کوئی رہ گیا تو ایک دم (بکری ذبح) کرنا ہوگا اس کفارہ کی ادائیگی کے بعد حج ہو گیا۔

اسلام کے ارکان میں سے حج ایک رکن ہے اور جمہور کے نظریہ کے مطابق حج کی فرضیت ہجرت کے تیسرے سال سورۃ آل عمران کی اس آیہ مبارکہ سے ہوئی ” وللّٰہ علی الناس حج البیت ، اتموا الحج والعمرہ “ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ عمرہ واجب ہے؟۔آپ نے فرمایا واجب تو نہیں لیکن کرلو تو بہتر ہے، افضل ہے۔امام اعظم، امام مالک کے نزدیک عمرہ واجب نہیں سنت ہے۔

اس آیہ میں ارشاد ہے عمرہ کا احرام باندھ لیا تو اب اس کا پورا کرنا واجب ہے۔

وَصلَّی اللّٰـہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدِدِ خَلْقِہٖ

اَلۡحَجُّ اَشۡهُرٌ مَّعۡلُوۡمٰتٌ ۚ فَمَنۡ فَرَضَ فِيۡهِنَّ الۡحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوۡقَ وَلَا جِدَالَ فِى الۡحَجِّ ؕ وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ يَّعۡلَمۡهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوۡا فَاِنَّ خَيۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰى وَاتَّقُوۡنِ يٰٓاُولِى الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۷﴾

صدق اللہ العظیم

حج کے مہینے معروف ہیں اور جو شخص ان مہینوں میں (حج کی نیت کر کے) حج کو لازم کر لے تو حج میں نہ عورتوں سے جماع کی باتیں ہوں، نہ گناہ، نہ جھگڑا اور تم جو نیکی کرتے ہو اس کا اللہ کو علم ہے، اگر سفر کا خرچ تیار کرو تو بہترین سفر خرچ تقویٰ ہے، اور اے عقل والو! مجھ سے ڈرتے رہو۔ (۱۹۷)

تفسیر

پچھلی آیہ کریمہ میں حج کا ذکر تھا اب اُس کا وقت بتایا جا رہا ہے۔ اس آیہ مبارکہ میں حج وعمرہ کی ادائیگی کا فرق فرمایا جا رہا ہے کہ حج کی ادائیگی کیلئے خاص دن ہیں جبکہ عمرہ سال بھر میں کسی وقت بھی ادا ہو سکتا ہے۔

حج کے چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں وہ شوال، ذیقعد اور ذی الحجہ کے دس دن ہیں۔

حج کے دنوں میں بے ہودہ گفتگو، نافرمانی اور جھگڑے سے روک دیا گیا ہے تا کہ ان برائیوں سے بچ کر حج کے حقیقی مقصد کو پایا جا سکے اور جو تم نیک کام کرو اللہ تعالیٰ جانتا ہے جس کا تمہیں اجر دے گا۔ عرب کے اکثر لوگوں کا معمول سا بن گیا تھا کہ حج کیلئے گھر سے چلتے تو سفر خرچ ساتھ نہ لیتے اور کہتے سفر خرچ ساتھ لے جانا توکل کے خلاف ہے۔ اب پھر اپنی ضروریات کیلئے بھیک مانگتے۔ ان کے اس غلط رویہ سے انہیں روک دیا گیا اور بتایا گیا سفر میں خرچ ساتھ لے کر جانا توکل کے منافی نہیں اور لوگوں سے بھیک مانگنا اچھا کام نہیں۔ سفر کا خرچ لے کر جانے کا حکم دیا گیا ہے اور فرمایا کہ بہترین توشہ پرہیزگاری ہے اُسے اختیار کرو عقل مندوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اللہ سے ڈریں۔

احرام کی حالت میں تین چیزوں سے پرہیز کو لازم قرار دیدیا گیا ہے ”رفث، فسوق، جدال“۔

☆ لفظ ''رفث'' میں عورت سے مباشرت، بوس وکنار اور ان کاموں سے متعلقہ کھلی گفتگو بھی حرام فرمادی گئی ہے۔

☆ ''فسق'' کا لفظ تمام گناہوں کو شامل ہے مگر یہاں پر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ممنوعات احرام مراد لئے ہیں۔ یعنی ہر وہ کام جو احرام کی حالت میں ممنوع و ناجائز ہے۔

☆ ''جدال'' جھگڑا کرنے کو کہتے ہیں اس کی بھی ممانعت کردی گئی کہ احرام کی حالت میں کسی قسم کے بھی جھگڑے سے باز رہا جائے۔

دور جاہلیت میں عرب مقام وقوف کے بارے میں جھگڑتے تھے۔ کچھ مقام عرفات میں وقوف کو ضروری سمجھتے تھے کچھ مزدلفہ میں وقوف ضروری سمجھتے تھے اور ایک دوسرے سے بحث ومباحثہ جھگڑا کرتے تھے۔ اسلام نے عرفات میں وقوف کو فرض فرما کر مزدلفہ میں وقوف کو واجب قرار دے کر جھگڑے کا خاتمہ فرمادیا کہ اس لمبے سفر میں رفقاء سے کئی مسائل میں الجھاؤ پیدا ہوسکتا ہے تو ''لا جدال'' فرما کر انہیں ممنوع قرار دیدیا گیا۔ ''فلارفث ولا فسوق ولا جدال'' میں قرآن مقدس نے ایک حسین انداز پیش فرمایا ہے، حاجی کو ان چیزوں سے روکنا مقصود تھا وہ یوں بھی ہوسکتا تھا ''ولا ترفثوا ولا تفسقوا ولا تجادلوا'' نہی کی صورت واقع ہوتی مگر یہاں پر نہی کی جگہ نفی کے الفاظ رکھ کر واضح فرمادیا گیا کہ حج میں ان افعال کی قطعی گنجائش ہی نہیں۔

وَصلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدَدِ خَلْقِہٖ

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ ﴿١٩٨﴾ ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٩٩﴾

صدق اللہ العظیم

(حج کے دوران) اپنے رب کا فضل (روزی) تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں اور جب تم عرفات سے (مزدلفہ میں) واپس آؤ تو مشعر حرام کے پاس اللہ کو یاد کرو اور جس طرح اس نے تمہیں ہدایت دی اسی طرح اس کا ذکر کرو اگرچہ اس سے پہلے تم گمراہوں میں سے تھے(۱۹۸) پھر تم وہیں سے واپس آؤ جہاں سے لوگ واپس آتے ہیں اور اللہ سے بخشش طلب کرو بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے بڑا مہربان ہے۔(۱۹۹)

تفسیر

اس آیہ مبارکہ کا شان نزول یہ ہے، کچھ لوگ کہتے تھے کہ جو لوگ حج کے دوران تجارت کرتے ہیں یا کوئی اور محنت مزدوری کے شغل میں مصروف ہو جاتے ہیں ان کا حج نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے نظریہ کی نفی فرما دی اور اجازت دیدی کہ اگر اس فریضہ کی ادائیگی میں تجارت کر لی، نفع کما لیا تو حج ہو گیا۔ ہاں یہ کام ایسے انہماک سے نہ ہو کہ سارا وقت اسی کام میں لگے رہو اور اصل مقصد یاد الٰہی بھول جاؤ اگر اصل مقصد حج کی ادائیگی ہے اور اس کے تابع تجارت کا شغل ہو گیا تو حرج نہیں۔

پھر حکم فرمایا گیا جب تم عرفات کی حاضری (جو حج کا اہم فریضہ ہے) سے واپس آؤ تو مزدلفہ میں مشعر حرام کے نزدیک اللہ کا ذکر کرو اگرچہ سارا مزدلفہ ہے موقف ہے جہاں بھی ٹھہر جاؤ گے وجوب ادا ہو جائے گا مگر مشعر حرام اور اس کے قرب و جوار میں وقوف میں زیادہ ثواب ہوگا۔ مشعر حرام مزدلفہ شریف کے اندر واقع

مسجد کا نام ہے مزدلفہ میں ٹھہرواوراس کا ذکر کرو جیسے تمہیں ہدایت دی گئی ہے۔

عرب کے کچھ سردار لوگ میدان عرفات میں قیام کو اپنی توہین جانتے تھے کہ عام لوگوں کی طرح وہ بھی عرفات سے لوٹیں اور یہیں مزدلفہ میں ٹھہرے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ حرکت پسند نہ آئی اور حکم دیا اپنا تکبر ختم کرو اور تم بھی عام لوگوں کی طرح وہیں سے لوٹو اور تکبر وغرور اور باطل امتیاز ختم کرو اور اللہ سے معافی مانگو وہ غفور رحیم ہے۔

اس آیہ مبارکہ میں عرفات شریف کا ذکر ہے ابن جریر طبری فرماتے ہیں عرفات کو عرفات اس لئے کہا جاتا ہے حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مناسک حج کی تعلیم دی اور بار بار کہتے ''عَرَفْتَ ، عَرفْتَ'' آپ نے جان لیا، آپ نے جان لیا تو اس جگہ کا نام عرفات پڑ گیا۔

مشعر حرام کے بارہ میں ابن جریر طبری فرماتے ہیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو مزدلفہ میں ایک پہاڑ کے پاس جمع ہوتے دیکھا تو آپ نے فرمایا اے لوگو تمام مزدلفہ مشعر حرام ہے۔ عمر بن میمون کہتے ہیں حضرت عبداللہ ابن عمر سے مشعر حرام کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا دو پہاڑوں کے درمیان جو جگہ ہے وہ مشعر حرام ہے۔ آیہ مبارکہ کا یہ کلمہ ''واپس آؤ جیسے لوگ واپس ہوتے ہیں'' سے واضح ہو رہا ہے عبادت کرنے میں سارے انسان برابر ہیں، رنگ ونسل کا کوئی امتیاز نہیں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز ؎
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

حج تو سارے کا سارا ہی مساوات کا واضح مظہر ہے۔

وَصلَّی اللّٰـهُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِهٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدِدِ خَلْقِهٖ

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

صدق اللہ العظیم

اور پھر جب تم مناسک حج مکمل کر چکو تو اس طرح اللہ کی یاد کرو جیسے اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ ذکر کرو اور بعض لوگ کہتے ہیں اے رب ہمیں دنیا میں دے اور ان کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں (۲۰۰) اوران میں بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں اچھائی عطا فرما اور آخرت میں (بھی) اچھائی عطا فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا (۲۰۱) یہ وہ لوگ ہیں جن کیلئے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ (۲۰۲)

تفسیر

اس آیہ مبارکہ میں دور جاہلیت کی ایک اور بُری رسم کی تردید فرمائی جارہی ہے اُن لوگوں میں ایک عام رواج یہ ہوگیا تھا کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد حرم شریف میں جلسوں کا اہتمام کرتے اور اس اجتماع میں اپنے باپ دادا کی تعریفیں کرتے۔ اُنہیں فرمایا جارہا ہے کہ اللہ کی یاد کرو جیسے اپنے باپ، دادا کی تعریف کرتے ہو اللہ کی حمد کرو بلکہ اس سے بھی زیادہ کرو۔

قریش کے ایک دوسرے طبقہ کا ذکر فرمایا گیا جنہیں قیامت پر ایمان نہ تھا اور صرف اسی زندگی کو ہی سب کچھ جانتے تھے اور اسی کے متعلق ہی سوال کرتے اس کے برخلاف دوسرا طبقہ مومنین کا ہے جو اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت دونوں کیلئے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور ہر قسم کی نیکی کی درخواست کرتے ہیں۔

حضور ﷺ نے ایک شخص کو اس حالت میں (کہ وہ نہائیت کمزور پتلا اور دبلا ہے) فرمایا تو کوئی دعا کیا کرتا ہے؟ اس نے عرض کی جی ہاں یا رسول اللہ (ﷺ) میں اللہ سے کہا کرتا ہوں اے اللہ جو عذاب تو نے مجھے قیامت کو دینا ہے وہ دنیا میں ہی دے دے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تجھ میں خدا کے عذاب برداشت کرنے کی طاقت نہیں۔ یہ کہا کرو ''دنیا میں بھی اچھائی دے اور آخرت میں بھی'' آپ نے اسے یہ دعا سکھائی ''ربنا اتنا فی الدنیا حسنه و فی الآخرة حسنه وقنا عذاب النار'' یہ دعا ایسی جامع ہے کہ اس میں زندگی سے متعلقہ تمام دینی دنیوی مقاصد آجاتے ہیں۔ اور یہ دعا دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں خیر و برکت اور راحت کا باعث بنتی ہے۔ حضور ﷺ اس دعا کو بکثرت مانگا کرتے تھے۔

اس جامع دعا میں اُن جاہل صوفیوں کی بھی تردید ہو رہی ہے جو کہتے ہیں بس آخرت ہی آخرت ہے اُسی کی بہتری، اچھائی مانگنی چاہیے۔ اُن کا یہ موقف انبیاء علیہم السلام کی سنت کے خلاف ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے رب سے دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی کی دعا کی ہے۔ جسم کی توانائی اور صحت کا تعلق دنیا سے ہے اگر صحت ٹھیک نہ ہوگی تو عبادات کیسے ادا ہوں گی ایسا نہ کرے کہ ساری کی ساری حاجات دنیا کی ہی سامنے ہوں اور آخرت کو بھول بیٹھے بلکہ دنیا مانگنے کے ساتھ ساتھ آخرت کی فکر کرے اور دعا مانگے۔

ان آیات مبارکہ سے واضح ہو رہا ہے کہ عبادت سے فارغ ہو کر دعا کرنی چاہئے، بعض کہتے ہیں کہ عبادت صرف ذات الٰہی کیلئے ہونی چاہئے، جنت و دوزخ، موت کا ڈر نہ ہو اگر ایسا نظریہ ہو تو بڑی بات ہے اور بڑا مقام ہے مگر جنت کا شوق، دوزخ کا ڈر عبادت کو ضائع نہیں کرتا۔

وَصلَّی اللّٰـهُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِهٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

صدق اللہ العظیم

اور گنے چُنے دنوں میں اللہ کو یاد کرو سو جس نے دو دنوں میں (روانہ ہونے میں) جلدی کی تو اس پر کوئی حرج نہیں اور جس نے تاخیر کی اس پر بھی کوئی حرج نہیں۔ یہ (حکم) اس لئے ہے جو اللہ سے ڈرے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو بے شک تم سب اُسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے (۲۰۳)

تفسیر

ایام معدودات سے مراد ''ایام تشریق'' ہیں، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہی تفسیر فرمائی ہے اس آیہ میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ تشریق کے دنوں میں نمازوں کے بعد تکبیرات تشریق پڑھی جائیں وہ یہ ہیں۔ ''اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر ولِلّٰہ الحمد'' ہر نماز کے بعد کم از کم ایک مرتبہ پڑھنا واجب ہے۔ نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنے پر کچھ لوگ اختلاف کرتے ہیں ان تکبیرات کے پڑھنے سے یہ بھی مسئلہ واضح ہو رہا ہے کہ نماز کے بعد اونچی آواز سے ذکر کرنا جائز ہے۔

اس آیہ مبارکہ ''فی ایام معدودات'' منیٰ میں ٹھہرنے کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ مزدلفہ سے آ کر یہاں پر شیطانوں کو کنکر مارے قربانی دے، سر منڈائے، احرام کھولے، لباس بدلے۔ اب اگر کوئی شخص منیٰ میں دو دن قیام کر کے واپس مکہ مکرمہ آجائے تو بھی حرج نہیں اگر وہ دو دن سے زائد یہاں ٹھہرے تو بھی ٹھیک ہے بہر حال منیٰ میں جتنے دن ٹھہرے اللہ کی عبادت، تسبیح و تہلیل میں مصروف رہے۔

اگر کوئی شخص منیٰ میں صرف دو دن ۱۰، ۱۱ تاریخ کو ٹھہرا اور رمی کر کے واپس ہو گیا تو حرج نہیں۔ اور جس نے تاخیر کی اور تیسرے دن بھی رمی کی اس پر بھی کوئی حرج نہیں ہے، حجاج کو دونوں صورتوں میں اختیار

ہے جس پر چاہیں عمل کریں مگر افضل یہی ہے کہ تیسرے دن تک ٹھہریں۔

اگر کوئی شخص دوسرے دن غروب آفتاب سے پہلے منیٰ سے چلا آیا تو اس پر تیسرے دن کی رمی واجب نہیں اگر سورج منیٰ میں غروب ہوگیا تو پھر تیسرے دن کی رمی کرکے واپس آئے گا۔

اس آیہ مبارکہ کا آخری ارشاد ہے ''اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین کرو کہ تم سب اس کی طرف اٹھائے جاؤ گے''۔ اس ارشاد میں اشارہ فرمایا جارہا ہے کہ حج ادا کرنے کے بعد مغرور نہ ہوجانا بلکہ خدا سے ڈرتے رہنا۔ احکام حج کے اختتام پر تقویٰ کی تاکید فرمائی جارہی ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ حج بہت بڑی عبادت ہے اور شیطان اس عبادت کو برباد کرنے کیلئے حاجی کے دل میں تکبر اور غرور پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کے دل میں بڑائی آجائے اور یہ نیکی برباد ہوجائے، اللہ تعالیٰ تکبر و غرور سے محفوظ فرمائے اور اپنے عاجز و مسکین بندوں میں شمار فرمائے۔

ایک ترک بزرگ کا واقعہ مشہور ہے یہ بزرگ مولانا جامی علیہ الرحمہ کے مرید تھے ان کی روحانیت کا یہ عالم تھا ہمیشہ اپنے سر پر نور کا مشاہدہ کیا کرتے تھے۔ حج سے واپس آئے تو وہ نورانی کیفیت ختم ہوگئی۔ یہ صورت حال اپنے شیخ مولانا جامی (رحمۃ اللہ علیہ) سے عرض کی آپ نے فرمایا حج سے پہلے تمہارے اندر عاجزی تھی اس کی وجہ سے یہ نور تھا، اب حج کے بعد تمہارے اندر تکبر آگیا، وہ نور زائل ہوگیا۔

حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ کی حاضری جسم میں جان کی حیثیت رکھتی ہے یہ یاد رہے کہ اللہ حج نصیب فرمائے تو دیار حبیب ﷺ کی حاضری میں کوتاہی نہ ہو۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں جس نے حج پڑھا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے مجھ پر ظلم کیا۔ (دار قطنی)

بیہقی شریف میں اسی عنوان پر ارشاد ملتا ہے جس نے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری ملاقات کی۔ ایک اور حدیث شریف میں اس عنوان کی اہمیت اسطرح ملتی ہے جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کیلئے میری شفاعت لازم ہوگئی۔

ایک اور حدیث شریف میں یہ عنوان حاضری اس طرح ذکر ہے، جو مدینہ پاک میں رہے اور یہاں کی مصیبتوں پر صبر کرے وہ قیامت کے دن میرے امن میں ہوگا اور میں اس کا گواہ ہونگا۔ایک اور حدیث شریف میں مدینہ منورہ کی حاضری کی اہمیت اس طرح ملتی ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں جو کوئی میری قبر پر آ کر مجھے سلام کہے اللہ تعالیٰ اس پر ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو اس کے دین و دنیا کے کام سنبھالتا رہے گا اور میں اس کا قیامت کے دن شفیع ہوں گا۔(بیہقی شریف)

سلیمان ابن سہیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ کی خواب میں زیارت کی اور سوال کیا حضور عشاق حاضر ہو کر سلام کرتے ہیں تو کیا آپ سلام سنتے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا میں ہر ایک کا جواب بھی دیتا ہوں۔ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے اس عنوان پر ایک روایت نقل کی ہے اگر کوئی روضہ شریف پر حاضری دے اور ایک بار یہ آیہ پاک پڑھے ''ان الله و ملائكته يصلون على النبى----'' اور ستر مرتبہ ''صلى الله عليك يا محمد '' کہے تو فرشتہ جواب دیتا ہے۔'' صلى الله عليك يا فلان'' اور یہ بھی کہتا ہے اب تیری کوئی حاجت نہ رکے گی۔

ابی حرب بلال فرماتے ہیں ایک دیہاتی دربار شریف پر حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں، میں گناہوں تلے دبا ہوا ہوں میں خود نہیں آیا، مجھے قرآن پاک نے بھیجا ہے ''ولوانهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروالله واستغفر لهم الرسول --- '' میں شفاعت چاہتا ہوں، حضور ﷺ نے خواب میں دیہاتی سے فرمایا تو بخشا گیا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰـهُ تَعَالىٰ عَلىٰ حَبِيْبِـهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلىٰ آلِـهٖ وَاَصْحَابِـهٖ بِعَدَدِ خَلْقِـهٖ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾

صدق اللہ العظیم

لوگوں میں ایک ایسا بھی ہے جس کی بات آپ کو دنیا کی زندگی میں اچھی لگتی ہے اور وہ اپنے دل کے (صحیح مخلص) ہونے پر اللہ کو گواہ بناتا ہے حالانکہ وہ سب سے زیادہ جھگڑالو ہے (۲۰۴) اور جب وہ (واپس جاتا ہے) کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے اور کھیتیوں کو برباد کر دے اور جانوروں کو ہلاک کر دے اور اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتا (۲۰۵)۔ اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو وہ ضد میں آ کر اور گناہ کرتا ہے سو اس کیلئے جہنم کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ (۲۰۶)

تفسیر

اس آیہ مبارکہ کا شان نزول یہ ہے، اخنس بن شریف نامی ایک شخص حضور ﷺ کے ہاں حاضر ہوا اور عرض کی حضور میں اسلام قبول کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں اور ساتھ ہی قسم اٹھائی کہ میں صرف اسی کام کیلئے آیا ہوں۔ اور پھر جب وہ حضور ﷺ کی بارگاہ سے چلا گیا تو باہر جا کر مسلمانوں کے مال جان کا دشمن ہو گیا سدی بیان کرتے ہیں یہ شخص جب حضور ﷺ کے پاس سے واپس گیا تو مسلمانوں کے کھیتوں اور گدھوں کے پاس سے گزرا تو کھیتوں کو آگ لگائی اور گدھوں کو ہلاک کیا یا ان کی کونچیں کاٹ دیں۔ تب اس شخص کے حق میں یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔

اس آیہ کریمہ میں اس شخص کو "الد الخصام" "سب سے زیادہ جھگڑالو فرمایا گیا۔ ام المومنین عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بُرا شخص، مبغوض بندہ وہ ہے جو جھگڑالو بہت ہے۔سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے حضور ﷺ نے فرمایا تمہارے گنہگار ہونے کیلئے یہ کافی ہے کہ تم جھگڑتے رہو۔امام بیہقی عبدالکریم الجذری سے راوی ہیں کہ متقی کبھی جھگڑا نہیں کرتا، امام احمد حضرت ابوالدرداء سے روایت کرتے ہیں تمہارے گناہ کیلئے کافی ہے تم ہمیشہ لڑتے رہو، تمہارے ظلم کیلئے یہ کافی ہے کہ تم ہمیشہ جھگڑتے رہو، تمہارے جھوٹا ہونے کیلئے یہ کافی ہے کہ تم ہمیشہ باتیں کرتے رہو سوا اس گفتگو کے جو اللہ کیلئے کی جائے۔حضرت ابوالدرداء سے دوسری روایت اس طرح ملتی ہے کہ جو بہت باتیں کرتا ہے وہ بہت جھوٹ بولتا ہے، جو بہت قسمیں کھاتا ہے وہ بہت گناہ کرتا ہے جو بہت جھگڑتا ہے اس کا دین سلامت نہیں رہتا (تبیان القرآن) اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ خدا سے ڈر تو اُسے ضد چڑھ جاتی ہے اسے دوزخ کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

اخنس بن شریف منافق کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ دنیاداری کیلئے دینی کام، دینی انداز، دینی راہ کی باتیں بھی دنیا ہی ہے کہ اخنس کی ساری گفتگو کو اللہ تعالیٰ نے حیوٰۃ دنیا سے ذکر فرمایا یہ بھی پتہ چلا کہ منافق اسلام اور مسلمان کیلئے اعلانیہ کافر سے زیادہ خطرناک ہے۔اللہ تعالیٰ نے اخنس کو سب سے زیادہ جھگڑالو فرمایا ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ زبانی دعوے کرنا کوئی حقیقت نہیں اصل چیز عمل ہے۔

آج امریکہ مسلمانوں سے اخلاص اور ہمدردی کے دعوے تو کرتا ہے مگر جھوٹا ہے، بوسنیا، فلسطین، عراق افغانستان میں اس کے دعوے جھوٹے ثابت ہو رہے ہیں۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

اور لوگوں میں سے ایک شخص ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے بدلہ میں اپنی جان بیچ دیتا ہے اور اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے۔(۲۰۷)

صدق اللہ العظیم

تفسیر

اس آیہ مبارکہ کے شان نزول کے بارہ میں کئی روایات ملتی ہیں۔سعید بن مسیّب فرماتے ہیں جب حضرت صہیب رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ جانے لگے تو قریش نے انہیں پکڑنے کیلئے ان کا تعاقب کیا، حضرت صہیب بن سنان بہت بڑے بہادر اور تیر انداز تھے۔آپ نے قریش سے فرمایا اے گروہ قریش تم جانتے ہو میں بڑا تیر انداز ہوں جب تک میرے تیر ختم نہیں ہوں گے تمہارے ساتھ مقابلہ کرتا رہوں گا، تیر ختم ہو گئے تو پھر تلوار سے تمہارا مقابلہ کروں گا اور تمہیں تباہ کر دوں گا۔اگر تم چاہو تو میں تمہیں اپنا سارا مال بتا دیتا ہوں کہ کہاں رکھا ہے تم وہ حاصل کر لو اور مجھے مدینہ منورہ جانے دو۔ قریش اس پر راضی ہو گئے انہیں جانے دیا اور ان کا سارا مال لے لیا۔جب حضرت صہیب بن سنان مدینہ منورہ حضور ﷺ کے حضور حاضر ہوئے تو یہ آیہ کریمہ اُتری، ''لوگوں میں ایسا بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے بدلے اپنی جان فروخت کر دیتا ہے'' اور حضور ﷺ نے دو مرتبہ فرمایا کہ صہیب تمہاری تجارت کامیاب اور نفع بخش رہی۔''ربح البیع ، ربح البیع'' (تمہارا سودا نفع بخش رہا، تمہاری بیع نفع بخش رہی)۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ہجرت کی رات جب کفار نے حضور ﷺ کے دولت خانہ کا محاصرہ کر لیا تو حضور ﷺ اپنے بستر پر حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو لٹا کر روانہ ہو گئے اس موقعہ پر یہ آیہ کریمہ اتری۔ حضرت جبریل علیہ السلام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سرہانے اور حضرت میکائیل علیہ السلام پاؤں کی طرف کھڑے کہہ رہے تھے، ابو طالب کے بیٹے! آج اللہ تم پر فخر فرماتا ہے تم نے اپنی جان کو حضور

(ﷺ) پر نثار کر دیا۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ایک اور روایت نقل کی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر بھیجا جس نے دشمن کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا پھر ایک دن آگے بڑھا اس نے قلعہ والوں سے مقابلہ کیا اور شہید ہو گیا۔ بعض لوگوں نے کہا اس نے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالا، جب یہ بات سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا یہ وہ شخص ہے جس نے اپنی جان دے کر اللہ کی رضا کو خرید لیا۔

ایک روایت اس طرح بھی ملتی ہے جسے حسن نے بیان کیا۔ ایک مسلمان اور کافر کا مقابلہ ہو گیا، مسلمان نے کافر سے کہا کلمہ طیبہ پڑھ لے، کافر نے انکار کیا مسلمان نے کہا میں اپنی جان اللہ کی راہ میں بیچتا ہوں اور کافر پر حملہ کر دیا اور اللہ کی راہ میں شہید ہو گیا۔

یہ ساری روایات اس آیہ کریمہ کے نزول کے متعلق ہیں اب قیامت تک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں ایسے کام کرتے رہیں گے وہ مصداق بنتے رہیں گے۔

اس آیہ مبارکہ سے واضح ہوتا ہے حضور ﷺ کی محبت میں جان مال خرچ کرنا، دراصل اللہ تعالیٰ سے سودا کرنا ہے یہ بھی واضح اشارہ مل رہا ہے کوئی غیر صحابی صحابی کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا کہ صحابی کے عمل کی مقبولیت اس آیہ سے واضح ہو رہی ہے، دنیا بھر کے غیر صحابی غوث، قطب، ابدال ہزاروں اکٹھے ہو کر بھی پرواز کریں تو بلال حبشی، صہیب رومی، سلمان فارسی (رضی اللہ عنہم) کی مقبولیت کو نہیں پہنچ سکتے کہ انہوں نے حضور ﷺ کی ظاہری عمر مبارک میں حضور ﷺ کے چہرہ مبارک کی زیارت کی اور ایمان لائے اور یہ دولت غیر صحابی کے مقدر میں نہیں۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ عام ایمانداروں نے اپنی جانیں جنت کے عوض فروخت کر دیں مگر اُن اللہ کے خاص بندوں نے رضاء الٰہی کیلئے قربان کر دیں۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً
وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ
عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا
جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ
حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ
فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ
قُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾

صدق اللہ العظیم

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے (۲۰۸) پھر اگر واضح دلائل آنے کے بعد بھی تم پھسلنے لگو تو یقین رکھو اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔ (۲۰۹) وہ صرف اس کا انتظار کرتے ہیں کہ اللہ کا عذاب بادلوں کے سائبانوں میں آئے اور عذاب کے فرشتے ان کے پاس آ جائیں اور کام پورا ہو جائے اور اللہ کی طرف تمام امور لوٹائے جاتے ہیں۔ (۲۱۰)

تفسیر

اسلام میں پورے پورے داخل ہونے کا ایک معنی یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ تم زبان سے تو اسلام کے قائل ہو جاؤ مگر تمہارے ہاتھ پاؤں آنکھ، کان، دل، دماغ اسلام سے مطمئن نہ ہوں۔ یہ سارے اعضاء بھی دائرہ اسلام میں ہوں اور اطاعت گزار ہوں۔

اس آیہ مبارکہ کا دوسرا معنی یہ ہے کہ تم اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ ایسا نہ ہو کہ اسلام کے بعض احکام تو مانو اور بعض میں تردد رہے۔ اسلام ایک مکمل نظام حیات کا نام ہے جو قرآن وسنت میں بیان ہوا ہے اس نظام کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، حکومت سے ہو یا سیاست سے، صنعت سے ہو یا تجارت سے اس پورے نظام حیات میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، اسلام کے احکام خواہ کسی شعبہ سے تعلق رکھتے ہوں تمام احکام کو سچے دل سے مانا جائے اگر یہ اخلاص نہیں ہوگا تو مسلمان کہلانے کا حق نہیں ہوگا۔ جن لوگوں نے اسلام کو صرف مسجد اور عبادات سے ہی خاص کر رکھا ہے وہ اس آیہ پاک کا عنوان سمجھنے

میں دھوکہ کھا گئے۔ عام طور پر ہمارے آپس کے معاملات کو، معاشرہ کو دین کا جزو ہی نہیں سمجھا جاتا جو صریح اور واضح غلطی ہے۔

یہ آیہ کریمہ ہمیں اسلام کے مکمل اور عالمگیر ہونے کی طرف توجہ دلا رہی ہے کہ اسلام اپنے قواعد وضوابط اپنے اصول ونظریات میں مکمل دین ہے مگر اس نظام کی برکتیں اس وقت سامنے آئیں گی جب ہم اُسے مکمل طور پر اپنا لیں گے اور اس میں پورے پورے داخل ہو جائیں گے۔

یہ آیہ کریمہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی وہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے تھے اور اونٹ کے گوشت کو مکروہ جانتے تھے۔ صحابہ کرام نے اس پر اعتراض کیا کہ اسلام میں اونٹ کا گوشت جائز ہے تم برا کیوں جانتے ہو۔ تو انہوں نے جواب دیا ہم دونوں شریعتوں پر عمل کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور حضور ﷺ سے عرض کی حضور ہمیں اس پر بھی عمل کرنے دیں۔ تو یہ حکم نازل ہوا کہ ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اس ارشاد سے یہ واضح ہوا کہ اسلام کے ساتھ کسی بھی اور دین کی موافقت یا رعائیت کرنا جائز نہیں۔ آیہ مبارکہ نمبر ۲۰۹ میں فرمایا گیا اگر روشن دلیلیں آجانے کے بعد بھی تم پھسلنے لگو تو یقین جانو اللہ بہت غالب ہے بڑی حکمت والا ہے۔

آیہ ۲۱۰ میں فرمایا جا رہا کہ اللہ ان کے پاس آئے یعنی اللہ کا عذاب ان پر نازل ہو اور پھر آپ کو مانیں اس آیہ کریمہ کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے، اس سے مراد قیامت ہو جیسے سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بادلوں میں سے عرش پر تجلی فرمائے گا۔

اس آیہ مبارکہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ محبوب یہ کفار لوگ اسلام کی صداقت کے واضح دلائل سن کر اور تجھے دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے تو اب انہیں صرف یہی انتظار ہے کہ عذاب کے بادل ان پر چھا جائیں جنہیں یہ رحمت سمجھ کر خوش ہوں ان بادلوں سے ان پر عذاب نازل ہو اور ان کا کام تمام ہو جائے۔ اب بغیر عذاب کے کوئی چیز انہیں ہدایت کی طرف متوجہ نہیں کر سکتی۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا میں تو ایمان نہیں لائیں گے قیامت کے دن عذاب کو دیکھ کر چیخیں گے اور دنیا کی طرف لوٹنا چاہیں گے مگر اب ان کی یہ تمنا بے کار ہوگی۔ اس آیہ مبارکہ سے یہ مفہوم واضح ہوتا ہے کہ بدنصیب، محروم انسان کا انجام عذاب الٰہی ہے۔

آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے بادلوں میں آنے کا ذکر ہے چونکہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ آنے جانے کے مفہوم سے پاک ہے، تاویل کی جائے گی کہ اس سے مراد عذاب کا آنا ہے۔ اس آیہ مبارکہ کو متشابہات سے بھی کہا جاسکتا ہے۔ ان کے انتظار کرنے کا معنی یہ بھی ہے کہ وہ اللہ کی وعید کا انتظار کرتے ہیں، یہ بھی ہے کہ وہ انتقام کا انتظار کرتے ہیں۔

وَصلَّى اللّٰـهُ تَعَالىٰ عَلىٰ حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدِدِ خَلْقِهٖ

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ؕ وَ مَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (۲۱۱)

بنی اسرائیل سے پوچھئے ہم نے ان کو کتنی نشانیاں دی تھیں اور جو اللہ تعالیٰ کی نعمت حاصل ہو جانے کے بعد اسے بدل دے (تو وہ سن لے) اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (۲۱۱)

صدق اللہ العظیم

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو بہت سی نعمتوں سے نوازا تھا مگر بنی اسرائیل نے ان نعمتوں کو بدل دیا جس کی وجہ سے ان پر طرح طرح کے عذاب آتے رہے۔ توراۃ بہت بڑی نعمت تھی جس سے نوازے گئے مگر بنی اسرائیل نے اس پر عمل کرنے کے بجائے انکار کردیا۔ بے شمار انعامات الٰہیہ میں سے ایک یہ بھی تھا کہ طور پر اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کی نعمت ملی مگر ضد کا یہ عالم تھا کہ کہا نہیں بغیر دیکھے ایمان نہیں لائیں گے۔ اس ضد پر ہلاکت کا عذاب مسلط ہوا۔ انہی انعامات میں ایک یہ تھا کہ جنگل تیہ میں من وسلویٰ سے نوازے گئے اُنہیں

شرک سے روکا گیا تھا مگر بچھڑے کی پرستش کے مرتکب ہوئے، ہفتہ کو مچھلی کا شکار کرنے سے روکا گیا تھا مگر غلط تاویل کر کے شکار کیا کرتے تھے جس کی سزا ملی، شکلیں بدل دی گئیں۔ حضور ﷺ کے زمانہ پاک میں سب سے بڑی گستاخی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت حضور ﷺ کا وجود مسعود تھا جس کا انہوں نے انکار کر کے کفر کیا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہیں کفار قریش اس کا انکار کر کے عذاب کے مستحق ہو گئے۔

اس آیہ مقدسہ میں مسلمانوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ بنی اسرائیل سے پوچھو، ان پر کس قدر نعمتیں نازل کی گئیں، آسمانی صحیفے نازل ہوئے، فرعون سے نجات دی، ایسے بے شمار انعامات دیئے گئے مگر انہوں نے نعمتوں کو اس طرح بدلا کہ قبول سے ہی انکار کیا، شکر کرنے کے بجائے کفر کیا جس کے بدلہ میں اُن پر عذاب مسلط ہوا۔

جس سے پتہ چلتا ہے انعامات الٰہیہ پر شکر کرنے سے برکت ہوتی ہے اور ناشکری سے اس نعمت کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے، قرآن مقدس کے دوسرے مقام پر اس طرح فرمایا ہے "اگر نعمتوں پر شکر کرو گے تو ہم بڑھا دیں گے اگر کفر کرو گے تو سن لو میرا عذاب شدید ہے"

وَصلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلىٰ حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

صدق اللہ العظیم

کفار کیلئے دنیا کی زندگی حسین بنا دی گئی ہے وہ ایمان والوں کا مذاق اُڑاتے ہیں حالانکہ وہ (ایماندار) قیامت کے دن کفار سے افضل و اعلیٰ ہوں گے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔(۲۱۲)

تفسیر

کفار مکہ غریب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور اُن کا مذاق اُڑاتے تھے جیسے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کفار بلال، صہیب رضی اللہ عنہما ایسے صحابہ کو مذاق کرتے تھے اور اپنے آپکو اونچا اور سر بلند سمجھتے تھے تو ان کی تردید میں یہ آیہ پاک نازل ہوئی کہ قیامت کے دن یہی غریب صحابہ، فقراء کفار سے اونچے اور اعلیٰ ہوں گے اور کفار عذاب میں مبتلا ہو کر ذلیل ہوں گے۔ کفار کہتے تھے اگر یہ رسول حق ہوتے تو ہمارے بڑے بڑے لوگ ان کی اتباع کرتے یہ کہنا محض حسد تھا محض ضد تھی ورنہ یہود کے بڑے بڑے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ معمولی معیار کے آدمی نہ تھے اس آیہ مبارکہ میں کفار کے اس نظریہ کی تردید فرمائی جا رہی ہے، دولت، جاہ وجلال، عظمت انہیں کے پاس ہی ہے۔ فرمایا جا رہا ہے مال کی زیادتی ،دولت کی کثرت یہ قرب الٰہی کی نشانی نہیں کہ جس کے پاس دولت ہے وہی خدا کا مقرب ہوگا، رزق کی کمی ،بیشی کوئی معیار حق نہیں، حقیقی نگاہوں سے دیکھو گے تو حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ حق و صداقت کا معیار انہیں فقراء و مساکین کے ساتھ ہی ہے، قرب الٰہی سے یہی لوگ نوازے گئے ہیں۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ ۪ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ؕ وَ مَا اخْتَلَفَ فِیْهِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۲۱۳

صدق اللہ العظیم

(شروع میں) تمام لوگ ایک ہی دین پر تھے (پھر جب وہ بکھر گئے) تو اللہ تعالیٰ نے خوشخبری دینے والے اور ڈر سنانے والے انبیاء علیہم السلام بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب حق نازل کی، تا کہ وہ لوگوں کے درمیان اختلاف کئے گئے معاملات میں فیصلہ کریں۔ اس میں صرف انہیں لوگوں نے اختلاف کیا تھا جنہیں کتاب دی گئی تھی، انہوں نے واضح دلائل آ جانے کے باوجود باہمی بغاوت و سرکشی کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس اختلاف میں ایمان والوں کو اپنے اذن سے حق بات کی ہدایت دی اللہ جسے چاہے صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔ (۲۱۳)

تفسیر

سیدنا آدم علیہ السلام سے حضرت ادریس علیہ السلام تک قریباً سبھی لوگ ایمان پر ہی تھے، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین رکھتے تھے۔ پھر سیدنا ادریس علیہ السلام کے زمانہ میں ان کے اندر اختلافات پیدا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام اور کئی انبیاء کو ان کی اصلاح کیلئے روانہ فرمایا، کتابیں دیں، صحیفے بخشے کہ اصلاح کریں مگر ہوا یہ کہ اہل کتاب نے ان آسمانی کتابوں میں بھی جھگڑا ڈال دیا اور حسد و تعصب کی بناء پر واضح اور روشن دلائل کا بھی انکار کر دیا جب یہ انکار، ضد، تعصب حد کو پہنچ گیا، تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس

نازل فرمایا اور مسلمانوں کو حق کی ہدایت بخشی اس کتاب کے نازل ہونے پر بھی اہل کتاب مختلف رہے۔ عیسائیوں نے اپنا قبلہ مشرقی بیت المقدس مانا جبکہ یہودیوں نے مغربی بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ ''کعبہ'' رہا جو دونوں سے افضل واعلیٰ ہے۔

اس آیہ مبارکہ پر مزید غور کیلئے یہ سمجھ لیا جائے کہ سیدنا آدم علیہ السلام اور ادریس علیہ السلام تک سبھی لوگ مومن تھے جس کا اشارہ آیہ کریمہ کے پہلے حصہ ''کان الناس امة واحدة'' میں ہے یا اس سے مراد نوح علیہ السلام کی کشتی پر سوار ہو جانے والے اور عذاب سے بچ نکلنے والے مراد ہیں کہ سب مومن تھے اور ہود علیہ السلام کے زمانہ تک مومن رہے۔ ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ یہاں ''الناس'' سے مراد یہودی ہیں، یعنی سارے یہودی پہلے ایک ہی دین یہودیت پر قائم تھے۔

ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ پچھلے تمام لوگ مومن ہی تھے پھر نفسانیت اور حسد سے اختلاف کر بیٹھے کہ بعض کافر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام بھیجے جو اصلاح کرتے رہے۔ کچھ احباب نے یہ معنی بھی کیا ہے کہ انسان ابتداء میں مشرک تھا اور عقیدۂ توحید تک پہنچنے میں اُسے کئی صدیاں گزارنا پڑیں مگر قرآن مقدس نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں، سیدنا آدم علیہ السلام دین پر تھے توحید کے قائل تھے اور پھر ایک لمبے عرصہ تک اگلی اولاد عقیدۂ توحید پر رہی پھر جب نسل انسانی بڑھی تو مزاجوں میں اختلافات پیدا ہو گئے، لوگ مختلف گروہوں میں بٹ گئے، راہ حق سے بھٹک جانے والوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے بھیجنے کا کام انجام فرمایا اور انہیں آسمانی کتابیں عطا فرمائیں تاکہ لوگ جھگڑوں اور فتنوں سے بچ جائیں اور ایک قوم بن جائیں۔

اس آیہ مبارکہ سے تاریخ انسانی کے ایک بہت بڑے حادثہ کا اشارہ ملتا ہے کہ وہ کتاب جو قوم کو اکٹھا کرنے کیلئے دی گئی تھی اُس کو جاننے والوں نے اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور یہ سارا عظیم واقعہ ان کے اخلاص کی وجہ سے نہ تھا بلکہ حسد، سرکشی اور بغاوت کے باعث تھا جس نے قوم کو حصوں میں بدل دیا۔

آیہ مبارکہ کے آخری حصہ میں فرمایا گیا کہ کتاب سے ہدایت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو سچے دل سے مومن بنتے ہیں اس آیہ مبارکہ میں ایمانداروں کو یہ بھی بتایا جارہا ہے کہ اختلافات سے الگ تھلگ رہنا، پہلی اُمتوں کی طرح نہ ہوجانا، حق وصداقت کے اصولوں کو مضبوطی سے تھامے رکھنا، مشکلات ومصائب کو ثابت قدمی، صبر سے برداشت کرنا اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے فضل سے نوازے گا۔

اس آیہ مبارکہ کے مفہوم کو سمجھنے کیلئے یہ بھی کہا گیا ہے کہ میثاق کے دن اللہ تعالیٰ نے جب یہ فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب نے کہا'' بلیٰ'' اس دن تمام لوگوں کا دین ایک ہی تھا اور وہ دین حق تھا ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے تو ابتدائی دین سبھی کا ایک ہی ہے پھر بڑے ہوکر اختلافات میں پھنس جاتے ہیں۔

وَصلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلىٰ حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾

صدق اللہ العظیم

کیا تم نے یہ گمان کرلیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہوجاؤ گے حالانکہ تم پر ابھی تک ایسی آزمائشیں نہیں آئیں جو تم سے پہلے لوگوں پر آئی تھیں۔ انہیں مصیبت اور سختی نے آلیا اور وہ لرز اُٹھے حتی کہ رسول (جو اس دور میں تھا) نے اور ایمانداروں نے جو اس کے ساتھ تھے کہا اللہ کی مدد کب آئے گی، آگاہ ہوجاؤ اللہ کی مدد قریب ہے۔(۲۱۴)

تفسیر

اس آیہ مبارکہ کا شان نزول یہ ہے، غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، بے

سروسامانی، بھوک کی شدت، خندق کی کھدائی، سردی کی شدت مسلمانوں کو اس سنگین مرحلہ پر حوصلہ، صبر سکون کا درس فرمایا گیا اور حکیمانہ انداز میں سمجھایا گیا کہ تم نے خیال کر رکھا ہے کہ جنت جیسی عظیم نعمت بغیر محنت کے حاصل ہو جائے گی تم پر تو اب تک وہ مصیبتیں آئی ہی نہیں جو پہلے لوگوں پر آئیں۔ تمہیں حوصلہ، صبر سے کام لینا چاہئے، تم تو اُن سے اعلیٰ ہو، آگے ہو، افضل ہو۔ کسی معاملہ میں اُن سے پیچھے نہ رہو ان کی مشکلات، مصائب کا تو یہ عالم تھا کہ اس دور کے رسول اور رسول کے حواری ایماندار پکار اُٹھے تھے کہ یا اللہ! تیری مدد کب آئے گی؟، تو انہیں تسلی دی گئی کہ گھبراؤ نہیں اللہ کی مدد قریب ہے۔ تم اُن کے حالات کو دیکھو اور اپنی مشکلات پر صبر کرو۔

سیدنا خباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک مرتبہ حضور ﷺ حرم کعبہ میں تشریف فرما تھے، صحابہ نے عرض کی حضور! (ﷺ) آپ دعا کیوں نہیں فرماتے کہ مشکلات مصائب ٹل جائیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا تم سے پہلے لوگ زمین میں گاڑ دئے جاتے تھے اور آرے سے چیر دئے جاتے تھے، لوہے کی کنگھیوں سے سر کے گوشت نوچ لئے جاتے تھے مگر ایسی مشکلات اور مصائب انہیں دین سے نہ ہٹا سکتی تھیں۔ اللہ کی قسم یہ دین پورا ہو کر رہے گا، دنیا میں امن کا دور دورہ ہوگا، صنعا سے حضر موت تک لوگ بے خوف وخطر سفر کر سکیں گے مگر تم جلدی کرتے ہو۔ (درّ منثور)

وَصلَّى اللّٰـهُ تَعَالىٰ عَلىٰ حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

آپ سے پوچھتے ہیں وہ خرچ کیا کریں؟ آپ کہہ دیجئے جو کچھ (اپنے) مال سے خرچ کرو اس خرچ کے مستحق ماں باپ ہیں، قریبی رشتہ دار ہیں، یتیم ہیں مسکین ہیں اور مسافر ہیں اور جو نیکی تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اُسے خوب جانتا ہے۔ (۲۱۵)

صدق اللہ العظیم

تفسیر

اس آیہ مبارکہ میں دو باتوں کا ذکر فرمایا گیا۔ ایک سوال یہ تھا کہ خرچ کیا کریں اور دوسرا سوال تھا کہ کہاں کریں تو پہلے سوال کا جواب تو مختصر فرمایا گیا کہ مال (حلال) سے خرچ کرو، اس خرچ کی مقبولیت کیلئے ضروری ہے کہ یہ مال حلال ہو، پاک ہو کہ اللہ تعالیٰ رزق حرام سے کئے گئے خرچ کو قبول نہیں فرماتا۔ دوسرے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مال خرچ کرنے کا آغاز اپنے گھر سے کرو چونکہ تمام افراد خانہ میں سب سے مقدم والدین ہیں تو پہلے ان کا ذکر فرما دیا گیا، ان کے بعد دوسرے رشتہ دار ہیں کہ تمام رشتہ داروں کی اصل والدین ہی ہیں۔ ماموں کا احترام اس لئے کہ ماں کا بھائی ہے، چچا کا اس لئے کہ باپ کا بھائی ہے، خالہ کا اس لئے کہ ماں کی بہن ہے، پھوپھی کا اس لئے کہ والد کی بہن ہے ان کے بعد یتیم، مسکین اور مسافروں کا درجہ ہے۔ اس آیہ مبارکہ میں لفظ ''خیر'' سے مراد حلال اور طیب چیز ہے مثلاً گائے حلال مگر چوری سے حاصل ہو تو طیب نہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرو جو حلال وطیب ہو۔

یہ بھی پتہ چلا کہ اپنی ضروریات سے بچا ہوا مال خرچ کرو کہ یہ صورت نہ ہو کہ تم اپنا سارا مال خرچ کردو اور خود بھیک مانگنے لگو، ضرورت مند کو جس قسم کی ضرورت ہے خرچ کرو، پیسے، رقم نہیں تو وہ دو، لباس نہیں تو کپڑا دو۔ اس خرچ کرنے میں شرعی مسائل کا خیال رکھا جائے مثلاً والدین کو اپنی بیوی، اپنے بچوں کو زکوۃ یا صدقہ فطرنہ دے اس آیہ مبارکہ سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ اہل علم لوگ اپنے علم سے ضرورت مند لوگوں پر خرچ

کریں، اُنہیں دین سکھائیں، حق بتائیں اس دین کے سکھانے، حق بتانے اور سمجھانے کے پہلے حقدار گھر والے ہی ہیں کہ دینی تبلیغ کا آغاز گھر سے ہی کرو، پھر دوسرے فقراء و مساکین، یتامیٰ۔ اس آیہ میں جو صدقہ کا حکم ہے اس سے مراد نفلی صدقات ہیں زکوٰۃ نہیں۔ اس آیہ میں صدقہ کی مقدار کا ذکر نہیں کہ یہ آیہ پاک زکوۃ کی فرضیت سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ اور جب زکوٰۃ فرض ہوئی تو یہ وضاحت کردی گئی کہ کس قدر مال پر کتنا وقت گزرنے پر کتنی مقدار میں زکوٰۃ واجب ہے۔ حضرت ابن جریح کا یہی مؤقف ہے، یہ آیہ نفلی صدقات سے متعلق ہے۔ حضرت عمر بن جموح رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کی تھی کہ ہم اپنے مال سے کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں؟ تو یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی۔

وَصلَّی اللّٰـهُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِهٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾

صدق اللہ العظیم

تم پر جہاد فرض کر دیا گیا ہے اور وہ تم پر گراں گزرتا ہے ہوسکتا ہے تم پر کوئی چیز شاق گزرے اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے کوئی چیز تمہارے نزدیک اچھی ہو اور وہ تمہارے حق میں اچھی نہ ہو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (۲۱۶)

تفسیر

پچھلی آیہ مبارکہ میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا ذکر تھا اس آیہ مبارکہ میں اللہ کی راہ میں جان دینے کا ذکر ہے۔ یہ تعلق بھی ہوسکتا ہے پہلی آیہ مبارکہ میں اعزاء، اقرباء، فقراء، مساکین پر خرچ کرنے کا ذکر تھا۔ اب اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان قربان کرنے کا ذکر ہے۔

اس آیہ مبارکہ میں جہاد کی عام اجازت دی گئی ہے۔ہجرت سے پہلے مسلمانوں کو جہاد کی اجازت نہ تھی مکہ مکرمہ کی یہ زندگی دکھوں، مصیبتوں میں گھری ہوئی تھی۔ہجرت کے بعد بدلہ لینے کی اجازت دے دی گئی کہ جو لڑے اس کے جواب میں تم بھی لڑو، اس صورت حال پر بھی کفار و مشرکین اپنے غیظ وغضب پر قابو نہ رکھ سکے تو مسلمانوں کو جہاد کی عام اجازت دے دی گئی کہ مسلمان بھی دشمن کے مقابلہ میں اپنے آپکو چاک وچو بند رکھ سکیں اور دین کی حفاظت کر سکیں۔

جہاد اپنے اندر ایک قوت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔طاقت ہو گی تو کفر کا مقابلہ کیا جا سکے گا۔جس دور میں یہ چند سطور لکھی جا رہی ہیں، کفر کی انتہائی کوشش ہے کہ مسلمان سے جذبہ جہاد ختم کر دیا جائے اور بے حس و بے بس کر کے اس کے وجود کو ختم کر دیا جائے۔

بلکہ سچ بات تو یہ ہے کہ جہاد قیام امن کا ذریعہ ہے جہاد مال، جان اور ایمان کی حفاظت ہے۔ جہاد رضاء الٰہی کا ایک اہم وظیفہ ہے مسلمانوں کے ایک گروہ نے بھی دین کے اس اہم فریضہ پر غلط زبان استعمال کی ہے کہ دشمن مارنے آئے تو جواب دے دو، ورنہ کفر کو کچھ نہ کہو۔ وہ گروہ صرف دفاعی جہاد کا قائل ہے حالانکہ جہاد کا حکم عام ہے۔دفاعی ہو یا ابتدائی۔سانپ، بچھوڈسے نہ بھی تو اس کے مارنے کا حکم ہے۔ کافر سانپ بچھو سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔سانپ، بچھو جان پر حملہ کرتے ہیں جبکہ کافر ایمان پر۔جب یقین ہو گیا کہ کفر اسلام کا دشمن ہے اور جب اسے موقعہ ملے گا تو اسلام پر حملہ آور ہو گا تم بھی ہوشیار رہو۔کفر پر حملہ ابتدائی ہو یا دفاعی دونوں جائز ہیں۔

کفار و مشرکین اسلام کے اندر جہاد کے حکم پر بے جا اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے ذریعے سے پھیلا ہے کہ اعلان نبوت کے بعد ہجرت سے پہلے بہت سے عظیم لوگ اسلام میں داخل ہوئے ہیں جیسے سیدنا صدیق اکبر، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان غنی، سیدنا علی المرتضٰی، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہم وغیرہم یہ کس تلوار کے ڈر سے اسلام میں داخل ہوئے۔جن لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے، سراسر زیادتی ہے اور اسلام پر جھوٹ

ہے۔ مسلمان تو اپنی کمزوری کے باعث اس پوزیشن میں ہی نہ تھے کہ لڑنے میں پہل کرتے۔ قرآن مقدس کا ارشاد گرامی ''کرہ لکم'' بتاتا ہے، مسلمانوں کی فطرت میں لڑائی، جھگڑا نہ تھا کہ وہ تو جنگ پسند ہی نہ کرتے تھے یہ تو حکم خداوندی ہے کہ جہاد تم پر فرض کیا گیا ہے، اس حکم پر عمل کرو تم پسند کرو یا نہ۔ حکم خداوندی کی تعمیل ضروری ہے اور وہ ہی بہتر جانتا ہے کہ تمہارے لئے کونسی چیز فائدہ مند ہے اور کونسی نقصان دہ ہے۔

جہاد اسلام کا ایک اہم فریضہ ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نقل فرماتے ہیں حضور ﷺ سے سوال کیا گیا کہ سب سے اچھا کون سا عمل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کے رسول پر ایمان لانا، عرض کی گئی پھر کونسا اچھا ہے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، عرض کی گئی پھر اس کے بعد کونسا اچھا ہے فرمایا حج مبرور۔

وَصلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدَدِ خَلْقِہٖ

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِیْهِ كَبِیْرٌ ؕ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَ لَا یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى یَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِیْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَ مَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَیَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓىٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

صدق اللہ العظیم

لوگ آپ سے ماہ حرام میں جنگ کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ (جواب دیں) اس مہینے میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام میں جانے سے روکنا اور حرم میں رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا، اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ بڑا گناہ ہے اور فساد ڈالنے کا گناہ، قتل سے زیادہ بڑا ہے اور (کفار) ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے حتی کہ اگر اُن کے بس میں ہو تو وہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو گیا اور حالت کفر میں مر گیا تو ان لوگوں کے نیک اعمال دنیا و آخرت میں برباد ہو گئے اور وہ لوگ دوزخی ہیں۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ (۲۱۷)

تفسیر

اس آیہ مبارکہ کا شانِ نزول یہ ہے، ہجرت کے دوسرے سال جنگ بدر سے دو ماہ پہلے حضور ﷺ نے جمادی الثانی کی آخری تاریخوں میں اپنے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ ابن جحش رضی اللہ عنہ کو ایک مختصر گروہ کے ساتھ کفار کی نقل وحرکت معلوم کرنے کیلئے بھیجا، مسلمانوں کے اس گروہ کا کفار کی ایک جماعت سے مقابلہ ہو گیا، ان کفار کا ایک بندہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا اور کفار کے کچھ آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ مسلمانوں کے خیال میں تھا کہ جمادی الثانی کی تیس تاریخ ہے اور رجب کا چاند نظر نہیں آیا دراصل رجب کا چاند ہو گیا تھا اس اسلامی گروہ کو غلط فہمی ہوئی۔ اس واقعہ سے کفار و مشرکین کو مسلمانوں سے دشمنی کا پروپیگنڈہ کرنے کا موقعہ مل گیا اور کہا مسلمانوں نے رجب کے مہینہ میں قتل و غارت کی جبکہ یہ حرام کا مہینہ ہے اور اس مہینے میں قتل حرام ہے مسلمانوں سے یہ واقعہ سرزد ہوا، دراصل تاریخ سمجھنے میں غلطی تھی۔

رب قدوس جل مجدہ نے ایمانداروں کے خلاف ہونے والے اس پروپیگنڈہ کا جواب دیا کہ ٹھیک ہے ماہ رجب میں قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے مگر تم تو لوگوں کو مسجد حرام میں جانے سے روکتے ہو مکہ مکرمہ کی پرامن سرزمین سے لوگوں کو جلاوطن کرتے ہو اور پھر جو شخص اسلام قبول کر لیتا ہے اس سے لڑائی جھگڑا کی کوشش کرتے ہو کہ وہ پھر مرتد ہو جائے۔ کفار کو بتایا جا رہا ہے کہ اپنی قبیح حرکات کا بھی جائزہ لو مسلمانوں کی ایک غلطی پر تو تم سیخ پا ہو گئے ہو تمہارے اپنے جرائم جو کہیں زیادہ بڑے ہیں ان کا بھی خیال کرو مسلمانوں کا وہ کام غلطی سے ہوا تم تو بڑے بڑے جرائم قصداً کر رہے ہو۔

قرآن کی اس آیہ مبارکہ سے یہ نتیجہ بھی واضح معلوم ہو رہا ہے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے غلطی ہو گئی کہ جنگ رجب میں کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی غلطی کو نظر انداز فرمایا اور کفار کو تنبیہ کی کہ تمہارے جرائم اس سے کہیں زیادہ بڑے ہیں۔

چار مہینوں میں جنگ کرنا حرام ہے۔

ا۔ذوالقعدہ ۲۔ذوالحجہ ۳۔محرم ۴۔رجب

کیا یہ حکم اب بھی ہے یا منسوخ ہو چکا ہے؟

جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے اس منسوخ ہونے کی دلیل یہ دیتے ہیں، قرآن مقدس فرماتا ہے ''فاقتلوا لمشرکین حیث وجدتموھم'' مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کردو۔اس آیہ مبارکہ سے استدلال کیا گیا ہے کہ ان مہینوں میں قتال کرنے کی حرمت اب منسوخ ہوگئی ہے۔

وَصلّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدِدِ خَلْقِہٖ

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

صدق اللہ العظیم

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔(۲۱۸)

تفسیر

پچھلی آیہ مبارکہ میں اسلام سے پھر جانے والوں کے عذاب کا ذکر ہوا، اس آیہ مبارکہ میں اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں کے ثواب کا ذکر ہے۔سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اوران کی جماعت جنہوں نے غلط فہمی کی بناء پر قتال کیا لوگوں نے مشہور کردیا ''چونکہ یہ جنگ غلط فہمی کی بناء پر ہوگئی کفار کا بندہ مارا گیا یہ امر گناہ تو نہیں مگر اس کا ثواب بھی نہیں ملے گا'' تو یہ حکم نازل ہو گیا اور غلط فہمی دور کردی گئی جو ایمان لائے ہجرت اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہ لوگ رب کی رحمت سے پر امید ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ مسلمانوں سے فرمادیا گیا ہے کہ عبداللہ بن جحش کا جہاد کرنا بے فائدہ نہیں رہا۔عبداللہ بن جحش اوران کے ساتھی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ کسی امیدوار کو مایوس نہیں فرماتا۔

اس آیہ مبارکہ سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر حاوی ہے۔عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو ڈر بھی تھا کہ رجب کا چاند نظر آنے پر قتال ہوا ہے خدا ناراض نہ ہو۔مگر اس کے کرم پر امید بھی تھی وہ غفور ہے، وہ رحیم ہے۔

وَصلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدَدِ خَلْقِہٖ

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ ؕ قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَ اِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَ یَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَا یُنْفِقُوْنَ ۬ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۙ﴿۲۱۹﴾ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰی ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ ؕ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۲۰﴾

صدق اللہ العظیم

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کیلئے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدہ سے بڑا ہے اور آپ سے یہ سوال (بھی) کرتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں آپ کہئے جو ضرورت سے زائد ہو، اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیات بیان فرماتا ہے کہ تم غور کرو (۲۱۹) دنیا اور آخرت کے کاموں میں اور آپ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں تو کہئے ان کی خیر خواہی کرنا بہتر ہے اور اگر تم ان کا اور اپنا خرچ اکٹھا رکھو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اللہ جانتا ہے مخلص کون ہے اور فسادی کون ہے اگر اللہ چاہتا تو تمہیں سختی میں ڈال دیتا بے شک اللہ بہت غالب ہے بڑی حکمت والا ہے۔(۲۲۰)

تفسیر

اس آیہ مبارکہ میں شراب اور جوئے کے بارہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ محبوب کریم! لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے ان میں گناہ بھی بڑا ہے اور کچھ فائدے بھی ہیں اور گناہ اُن کے فائدے سے زیادہ بڑا ہے۔شراب کی حرمت کئی ایک مراحل میں مکمل ہوئی ۔ چونکہ شراب نوشی کی عادت عرب میں عام تھی اس کا یکدم چھوڑ نا ایک اہم مسئلہ تھا

پہلا مرحلہ: اس کا پہلا مرحلہ یہ تھا قرآن مقدس نے فرمایا ''ومن ثمرات النخیل والاعناب تتخذون منه سکر ا'' اس آیہ کریمہ میں چونکہ حرمت کا ذکر نہیں،صرف مستی اور نشہ کا ذکر ہے،لوگ استعمال کرتے رہے۔

دوسرا مرحلہ: پھر دوسرا مرحلہ یہ ہوا مدینہ منورہ میں حضور ﷺ سے عرض کی گئی،یا رسول اللہ ﷺ شراب کے بارے میں کوئی واضح حکم فرمائیں یہ تو عقل کو برباد کر دیتی ہے پھر یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی جس میں ذکر فرمایا گیا شراب اور جوا ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کو منافع بھی ہے اگر چہ گناہ نفع سے بڑا ہے۔اس حکم سے لوگوں میں نفرت پیدا ہوئی اور بعض نے شراب چھوڑ دی مگر اکثریت پیتی رہی۔

تیسرا مرحلہ: تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کے ہاں صحابہ کی دعوت تھی کھانے کے بعد شراب پی گئی ۔نماز مغرب کا وقت ہوگیا ایک جلیل القدر صحابی نے نماز پڑھائی۔اور سورہ کافرون کی تلاوت کی نشہ کے باعث ایک جگہ ''لا'' نہ پڑھ سکے ''لا اعبد'' کی جگہ صرف ''اعبد'' پڑھا تو یہ حکم اترا'' لا تقربو الصلوۃ وانتم سکری''نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو اس حکم کے بعد شراب کا استعمال خاصہ کم ہوگیا۔

چوتھا مرحلہ چوتھا دور یہ تھا کہ ایک موقعہ پر سیدنا عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی دعوت کا اہتمام کیا شراب پلائی گئی لوگ آپس میں اُلجھ پڑے،یہ بات بارگاہ رسالت میں پہنچی ۔سیدنا عمر بن خطاب

رضی اللہ عنہ نے دعا کی یا اللہ شراب کے بارہ میں مکمل حکم نازل فرما، تب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی جس سے شراب کی قطعی حرمت نازل ہوئی، اس حکم پر لوگوں نے ایسے مٹکوں کو توڑ دیا۔ جو پی رہا تھا پھینک دی جس کے منہ میں تھی اس نے کلی کر دی۔

شراب زنا اور چوری کی مذمت میں بخاری شریف کی وہ حدیث بڑی کافی ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں ''خمر پیتے وقت شرابی میں ایمان (کامل) نہیں رہتا، زنا کرتے وقت زانی میں ایمان (کامل) نہیں رہتا، چوری کرتے وقت چور میں ایمان (کامل) نہیں رہتا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا ''خمر پینے والے پر، پلانے والے پر بیچنے والے، خریدنے والے، نچوڑنے والے، خمر لانے والے پر لعنت فرمائی ہے''

(ابوداؤد شریف ص 161 ج 2)

اسی آیہ نمبر 219 میں ایک اور سوال کا ذکر ہے محبوب! یہ آپ سے پوچھتے ہیں خرچ کیا کریں؟ تو آپ فرما دیجئے بچا ہوا (جو مال اہل خانہ کی ضروریات سے بچا ہوا ہے) وہ صدقہ خیرات کرو ایسا نہ ہو کہ تم گھر کا سارا مال خیرات کر دو اور خود بھیک مانگنے کی حالت میں پہنچ جاؤ۔ ایک معنی یہ بھی ہے وہ مال خرچ کرو جس کا خرچ کرنا تم پر آسان ہو۔ ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ صدقہ و خیرات میں حلال طیب مال خرچ کرو۔

ان آیات مبارکہ میں ایک اور تیسرے سوال کا ذکر ہے اے محبوب کریم! (ﷺ) آپ سے زیر پرورش یتیموں کے مال کے بارہ میں لوگ پوچھتے ہیں کہ ان کے مال کیسے خرچ کئے جائیں؟ ان سے فرما دیں یتیموں کی اصلاح کرنا تمہارے لئے بھی بہتر ہے اور ان کیلئے بھی، کہ تمہیں اُن کے مال کو احتیاط سے خرچ کرنے میں ثواب ملے گا اور اُنکو مالی فائدہ پہنچے گا۔ قرآن مقدس نے لفظ اصلاح فرما کر یتیموں سے متعلق بہت سے معاملات کو گھیر لیا ہے، انکی مالی، جانی حفاظت انکی تربیت، انکی تعلیم، انہیں ادب سکھانا، مؤدب بنانا وغیرہ اور اگر اپنا اُن کا خرچ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں، ہاں محتاط رہنے کی شدید ضرورت ہے تمہیں ان کے

ساتھ رہنے سہنے کی تو اجازت دے دی مگر اللہ بہتر جانتا ہے مصلح کون ہے اور فسادی کون ہے؟ اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مصیبت میں ڈال دیتا کہ یتیموں کے بارہ میں سخت احکام نازل فرما دیتا اور ان کے مال کو الگ رکھنے کا ہی حکم دے دیتا مگر اس نے اپنے کرم سے ان کے مال کو ملا کر رکھنے کی اجازت دیدی ہے۔

وَصلّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدَدِ خَلْقِہٖ

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

صدق اللہ العظیم

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں اور ایمان دار لونڈی مشرک عورت سے بہتر ہے خواہ وہ تم کو اچھی لگتی ہو اور مشرک مردوں سے نکاح نہ کرو حتی کہ وہ ایمان لے آئیں اور مسلمان غلام، آزاد مشرک سے بہتر ہے، خواہ وہ تم کو اچھا لگتا ہو۔ یہ (مشرکین) دوزخ کی آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے اذن سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور لوگوں کیلئے اپنی آیات بیان فرماتا ہے تا کہ وہ نصیحت قبول کریں۔ (۲۲۱)

تفسیر

اس سے پہلی آیہ مبارکہ میں یتیموں کے ساتھ مل جل کر رہنے کی اجازت تھی، یتیم بچیوں سے نکاح کرنے میں حرج نہ تھا اب مشرکہ یتیم سے نکاح کو منع کر دیا گیا ہے۔ نہ کوئی مومن مرد مشرکہ عورت سے نکاح کرے اور نہ کوئی مومنہ عورت مشرک مرد سے نکاح کرے جب تک کہ مسلمان نہ ہو جائیں۔

اس ممانعت میں حکمت یہ ہے کہ اُن کے دل ودماغ، مزاج، نظریات بالکل مختلف ہیں، اس نکاح میں امن نہیں ہوگا لڑائی جھگڑا، فتن وفسادات کے خدشات واضح ہیں کہ مرد مومن ہے عورت مشرک ہے یا عورت مومن ہے، شوہر مشرک ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مومن مرد مشرک بیوی سے متاثر ہوکر اپنا ایمان برباد کر بیٹھے، ایسے ہی مومنہ عورت مشرک شوہر سے متاثر ہوکر اپنا دین برباد کرلے، اگرچہ اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے کہ مشرکہ عورت مومن سے متاثر ہوکر اسلام قبول کرلے مگر جب کوئی معاملہ نفع ونقصان دونوں کے درمیان واقع ہو تو نفع حاصل کرنے کی بجائے نقصان سے بچنے کو اہمیت دی جاتی ہے۔ یہاں پر مشرک سے مراد کافر ہے کسی بھی کافر سے مومنہ کا نکاح نہیں ہوسکتا۔

یہ آیہ مبارکہ ایک جلیل القدر صحابی ابومرثد غنوی کے متعلق نازل ہوئی، کہ حضور ﷺ نے ابومرثد کو مکہ مکرمہ بھیجا تھا کہ وہاں کے ضعیف مسلمانوں کو نکال لائیں جب یہ مکہ مکرمہ آئے تو وہاں کی ''عناق'' نامی خاتون جو زمانہ جاہلیت میں ان سے محبت کرتی تھی آپ کے پاس آئی اور ملنے کی خواہش کی آپ نے فرمایا عناق! میں مسلمان ہو چکا ہوں اور اسلام زنا سے روکتا ہے۔ تب اس نے نکاح کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا عناق اب میں اپنے قبضے میں نہیں، حضور ﷺ کا غلام بن چکا ہوں ان سے پوچھے بغیر نکاح بھی نہیں کرسکتا۔ چنانچہ حضرت ابومرثد نے حضور ﷺ سے عناق سے نکاح کرنے کا مسئلہ دریافت کیا تو یہ حکم نازل ہوگیا ''**ولا تنکحو المشرکات ....**''

وَصلَّی اللّٰـہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدَدِ خَلْقِہٖ

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۖ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ ۖ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ۖ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾

صدق اللہ العظیم

اور آپ سے حیض کا حکم معلوم کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے وہ گندگی ہے سو عورتوں سے حیض کی حالت میں الگ رہو اور ان سے عمل زوجیت نہ کرو حتی کہ وہ پاک ہوجائیں اور جب اچھی طرح پاک ہوجائیں تو ان کے پاس آؤ جہاں سے اللہ تعالیٰ نے آنے کا حکم دیا ہے۔ بیشک اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔(۲۲۲)

تفسیر

پہلی آیہ مبارکہ میں نکاح کرنے کا ذکر تھا اب بیویوں سے مجامعت کا مسئلہ فرمایا گیا کہ عورت سے کس حالت میں جماع کیا جائے، کس حالت میں رکا جائے۔

اس آیہ کریمہ کا شان نزول یہ ہے امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہود کے ہاں جب کسی عورت کو حیض آجاتا تو وہ اسے الگ تھلگ کردیتے اس کے ساتھ کھانے پینے سے بھی نفرت کرتے۔ حضور ﷺ سے جب اس صورت کے متعلق دریافت کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ حیض کی صورت میں عورتوں سے مباشرت منع ہے۔

نصاریٰ حیض کی صورت میں مباشرت سے بھی نہ رکتے تھے تو اسلام نے اس کا حل اس طرح فرمایا کہ حیض کی حالت میں مباشرت کو منع فرمادیا اور باقی تمام معاملات کھانے پینے بیٹھنے اٹھنے میں اجازت فرمادی

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُم مُّلَاقُوهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝

صدق اللہ العظیم

تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں ۔ (جیسے کھیتیوں سے غلہ ملتا ہے ایسے عورتوں سے اولاد) تم اپنی کھیتیوں کو جس طرح چاہو آؤ اور اپنے لئے نیک عمل آگے بھیجتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ بے شک تم اس سے ملاقات کرنے والے ہو اور آپ مومنوں کو بشارت دیدیجئے (۲۲۳)

تفسیر

پچھلی آیہ مبارکہ میں بیوی سے مباشرت کرنے کا ذکر فرمایا گیا کہ مباشرت کی کوئی صورت متعین نہیں جیسے چاہو کرو صرف ایک شرط ذکر کر دی گئی کہ بیج وہاں ڈالو جو جگہ اس کیلئے مخصوص کی گئی ہے اور پھر جہاں سے بیج اُگنے کی توقع کی جاسکتی ہے ۔اس حکم میں لوگوں کو غلط کاریوں سے روکا گیا ہے کہ بعض غلط لوگ بیویوں سے لواطت کیا کرتے تھے اس سے روک دیا گیا کہ یہ جگہ تخم ریزی کی نہیں اس برے کام سے بچو مباشرت کی جگہ دبر نہیں۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ أَن تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

صدق اللہ العظیم

اور اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ احسان اور پرہیزگاری اور لوگوں میں صلح نہ کرانے کی قسم کھاؤ اور اللہ سنتا ہے جانتا ہے۔(۲۲۴)

تفسیر

حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کی بہن بشیر ابن نعمان کے نکاح میں تھیں ان دونوں میاں بیوی میں کوئی اختلاف ہوگیا جس سے حضرت بشیر بن نعمان کی بیوی اپنے میاں سے روٹھ کر اپنے بھائی عبداللہ کے گھر آ گئیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بہن کے روٹھ کر آنے پر صدمہ ہوا اور قسم کھالی کہ وہ اب صلح نہیں کرائیں گے۔ کچھ دنوں بعد شوہر نے چاہا کہ صلح ہو جائے اور اپنی اہلیہ کے بھائی عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے کہا وہ صلح کرا دیں تو جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے معذرت کر دی کہ میں تو قسم اٹھا چکا ہوں صلح نہیں کراؤنگا، تو یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی جس میں نیک کام کرنے سے قسم اٹھانے کی ممانعت فرمادی گئی۔

ایک دوسری روایت اس طرح بھی ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے ایک عزیز رشتہ دار خالہ زاد بھائی ''مسطح'' کے تمام اخراجات برداشت کرتے تھے ایک مرتبہ ان پر صدیق اکبر ناراض ہو گئے اور قسم اٹھالی کہ اب انہیں خرچ نہیں دوں گا۔ تو یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی کہ نیک کام کرنے سے قسم اٹھانے کی ممانعت فرمادی گئی ہے۔ آج بھی بعض لوگ اچھے کام نہ کرنے کی قسم اٹھاتے ہیں مثلاً اولاد سے نہیں بولیں گے، والدین سے الگ تھلگ رہیں گے، کسی رشتہ دار سے حسن سلوک نہیں ہوگا۔ اس آیہ کریمہ میں ایسی قسمیں اٹھانے کی ممانعت فرمادی گئی ہے، جس سے نیکی سے رکنا ہے۔ اگر کبھی ایسی غلطی ہو جائے کہ نیک کام نہ کرنے کی قسم اٹھا بیٹھا ہے تو ضروری ہے کہ وہ قسم توڑ دے اور نیک کام کرے، قسم توڑنے کا کفارہ ادا کردو، قسم توڑنے کا کفارہ یہ ہے، دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا کپڑے دے یا تین روزے رکھے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدِدِ خَلْقِهٖ

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝

صدق اللہ العظیم

اللہ تمہیں ان قسموں میں نہیں پکڑتا جو بے ارادہ زبان سے نکل جائیں ہاں ان پر گرفت فرماتا ہے جو کام تمہارے دلوں نے کئے اور اللہ بخشنے والا اور حلم والا ہے۔(۲۲۵)

تفسیر

پہلی آیہ مبارکہ میں نیک کام سے رکنے پر قسم اٹھانے کی ممانعت تھی، اب فرمایا جارہا ہے کہ لغو قسموں پر گرفت نہیں، بے اختیاری سے زبان پر قسم جاری ہوگئی کسی شی کو سچ جان کر قسم اٹھالی گئی اور وہ شی ایسے ہے نہیں، ایسی قسموں پر گرفت نہیں۔ ہاں ان قسموں پر گرفت ہوگی جو جان بوجھ کر اٹھائے گا ایسی بعض قسموں پر کفارہ اور بعض پر گناہ لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور حلم والا ہے اسی وجہ سے تمہارے لئے احکام آسان کر دیئے۔

قسم کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔**لغو** : کسی گزرے معاملہ پر اپنے خیال میں صحیح جان کر قسم اٹھائے اور واقعہ اس کے خلاف ہے یہ قسم لغو ہے اس پر معافی ہے۔

۲۔ **غموس** : کسی گزرے کام پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم اٹھانا ہے، ایسی قسم پر گناہ ہوگا کہ جھوٹ بول رہا ہے کفارہ نہیں۔

۳۔ **منعقدہ** : کسی آئندہ کام پر قسم اٹھاتا ہے اس قسم کے توڑنے پر گناہ بھی ہے، کفارہ بھی۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

صدق اللہ العظیم

وہ لوگ جو قسم اٹھالیتے ہیں کہ اپنی عورتوں کے پاس نہیں جائیں گے انہیں چار ماہ کی مہلت ہے ،اگر وہ لوگ اس عرصہ چار ماہ میں اپنی بیویوں سے مل لیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔(۲۲۶) اگر طلاق کا ارادہ کرلیا تو اللہ سنتا ہے جانتا ہے۔(۲۲۷)

تفسیر

زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ انداز تھا کہ بیویوں کو تنگ کرنے کیلئے ان کے پاس نہ جانے کی قسم اٹھالیتے اور کئی سال تک یہ طریق کار جاری رہتا، یہ عورت پر ظلم تھا کہ نہ تو وہ اس شوہر کے گھر سکون پاسکتیں اور نہ کسی اور سے نکاح کرسکتیں۔ اسلام نے ان مردوں کے اس غلط انداز کی تردید فرمادی اور خواتین کو اس ظلم سے نجات دلادی۔ اس آیہ مبارکہ میں حکم فرمادیا گیا اگر چار ماہ کے اندر اندر تم نے اپنی قسم توڑ دی اور بیوی سے مل لیا تو عورت تمہارے نکاح میں رہے گی صرف کفارہ ادا کرنا ہوگا اگر چار ماہ گزرنے پر بھی قسم نہ توڑی اور بیوی سے نہ ملا تو نکاح ٹوٹ جائے گا اور اس عورت کو حق حاصل ہوگا کہ آگے دوسرا نکاح کرلے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم عورت کو نکاح میں بھی رکھو اور اسے اس کے حق زوجیت سے بھی محروم رکھو۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾

اور طلاق والی خواتین اپنے آپ کو تین حیض تک (دوسرے نکاح کیلئے) روکے رکھیں اور اگر وہ اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتی ہیں تو انہیں یہ جائز نہیں کہ وہ چیز چھپائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رِحموں میں پیدا کی ہے اور ان کے خاوند اس مدت میں (طلاق رجعی) کو واپس لینے کے زیادہ حقدار ہیں بشرطیکہ ان کا ارادہ حسن سلوک کے ساتھ رہنے کا ہو اور عورتوں کیلئے بھی اُصول کے مطابق مردوں پر اسی طرح حق ہیں جس طرح مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔ (۲۲۸)

تفسیر

پہلی آیہ مبارکہ میں ''ایلاء'' کا ذکر تھا اور اس کا خاتمہ طلاق پر تھا جو شوہر چار مہینے تک بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم اٹھا لیں اگر وہ اس مدت کے اندر بیویوں سے مل لیں تو نکاح رہے گا اگر چار ماہ کی مدت گزر گئی تو طلاق ہو جائے گی۔ اب اس آیہ پاک میں طلاق کی عدت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

عدت کا حکم نازل ہونے کا واقعہ یہ ہوا۔ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں مجھے حضور ﷺ کے عہد میں طلاق دی گئی، اس وقت مطلقہ کیلئے کوئی عدت نہ تھی تو اللہ تعالیٰ نے طلاق کی عدت بیان فرمادی

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ دور جاہلیت میں طلاق کی عدت نہ ہوتی تھی، عورت پر لازم کر دیا گیا کہ طلاق کے بعد تین حیض گزرنے تک وہ عقد ثانی نہیں کرسکتی۔

مختلف عورتوں کی عدتیں بھی مختلف ہیں وہ مطلقہ عورت جو حاملہ ہو اسکی عدت بچہ جننا ہے بچہ پیدا ہو گیا تو عدت پوری ہوگئی۔ وہ خاتون جس کا نکاح ہو گیا مگر شوہر سے ہم بستری نہیں ہوئی اور اسے طلاق ہوگئی تو اسکی عدت ہے ہی نہیں، وہ عورت جسے طلاق ہوگئی مگر وہ حاملہ نہیں، بڑھاپے یا بچپن کی وجہ سے حیض نہیں آتا تو عدت تین ماہ ہے، اس عدت کے حکم میں یہود کے اس رویے کی مخالفت ہے کہ ان کے ہاں طلاق کے بعد عورت جھٹ دوسری جگہ نکاح کر لیتی۔ اسلام نے ایسی خاتون کو تین مہینے تک نکاح کرنے سے روک دیا ہے جس میں کئی حکمتیں ہیں۔

☆ یہ بھی حکمت ہے کہ اس عورت کے متعلق پتہ چل جائے یہ حاملہ ہے یا نہیں اگر حمل ہے تو بچہ جننے تک انتظار کرنا ہوگا۔

☆ یہ بھی حکمت ہے کہ نکاح ٹوٹنے کا واقعہ پیش آگیا ہے اور یہ معمولی نہیں اس مدت میں عورت کو سوچ وفکر کرنا ہوگا کہ پہلا نکاح کیوں ختم ہوا اب اگلے نکاح میں اپنی ان عادات سے بچنا ہوگا غور وفکر کرنا ہوگا کہ دوبارہ نکاح میں پہلے شوہر جیسے آدمی کی گرفت میں نہ آجائے۔

☆ یہ بھی حکمت ہے کہ اگر طلاق رجعی ہے تو دونوں میاں بیوی کو غور کرنے کا موقع مل جائے گا اگر مصالحت ہوجائے تو پہلا شوہر رجوع کرسکتا ہے اور میاں بیوی پھر مصالحت کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔

وَصلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدَدِ خَلْقِہٖ

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ
بِاِحۡسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَـكُمۡ اَنۡ تَاۡخُذُوۡا مِمَّاۤ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ
شَيۡـــًٔا اِلَّاۤ اَنۡ يَّخَافَاۤ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنۡ
خِفۡتُمۡ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا
فِيۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ ؕ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ فَلَا
تَعۡتَدُوۡهَا ۚ وَمَنۡ يَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓـئِكَ
هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝

دوبار طلاق دینے کے بعد یا تو دستور کے مطابق روک لینا ہے یا اس کو حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے اور تمہارے لئے اس سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ، حق مہر (کوئی عطیہ ، ہبہ) جو تم ان کو دے چکے ہو مگر جب دونوں (مرد و عورت) کو ڈر ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے (اے مسلمانو) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ دونوں اللہ کی حدود قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت نے جو بدل خلع دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور جنہوں نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا وہی لوگ ظالم ہیں (۲۲۹)

تفسیر

اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے طلاق دینے کے طریقہ کی وضاحت فرمائی ہے، عرب میں رواج تھا کہ میاں بیوی میں اختلاف ہوجانے کی صورت میں شوہر اپنی بیوی کو کئی طلاقیں دے سکتا تھا جتنی بار چاہتا طلاق دے دیتا اور پھر مدت گزرنے سے پہلے رجوع کر لیتا، ایک مرتبہ ایک انصاری نے اپنی بیوی سے کہا کہ نہ تو میں تمہارے نزدیک جاؤنگا اور نہ ہی تجھے طلاق دونگا۔ اس شوہر کے اس انداز اعلان پر بیوی پریشان ہوئی اور دربار رسالت میں حاضر ہوکر اپنی داستان غم سنائی۔ حضور ﷺ کو اس کی داستان غم سے صدمہ ہوا کہ آپ اپنی امت پر شفیق ہیں، کریم ہیں، رحیم ہیں تو رب قدوس جل مجدہ نے یہ حکم نازل فرما کر

خاوند کو پابند کر دیا کہ وہ طلاق صرف تین بار دے سکتا ہے ایک مرتبہ طلاق دی تو اسے حق ہے کہ عدت گزرنے سے پہلے رجوع کر لے اگر دو مرتبہ طلاق دیدی تو بھی اسے رجوع کرنے کا حق ہے اگر تیسری مرتبہ طلاق دیدی تو یہ حق ختم ہو گیا اب اسے رجوع کرنے کا کوئی حق باقی نہیں رہا، اوراس کے نکاح کا سلسلہ منقطع ہو گیا، اسلام کے اس ضابطہ کو سامنے رکھ کر غیروں کے نظام سے مقابلہ کیا جائے تو اسلام کا یہ طریق طلاق صاف ستھرا اور نکھرا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں طلاق ایک کھیل تماشہ تھا، جب چاہتا جتنی مرتبہ چاہتا طلاق دیتا رہتا اور عدت سے پہلے رجوع کر لیتا۔ یہ طریقہ بیوی کیلئے انتہائی دکھ دہ تھا غیر مسلموں میں، یہود و نصاری میں یہ طریق کہ نکاح ختم ہی نہیں ہو سکتا یہ بھی ایک تکلیف دہ طریقہ تھا کہ خاوند کتنا ہی بیوی کی طرف سے دکھ میں ہو طلاق دے ہی نہیں سکتا۔ اسلام نے ایک ایسا حسین طریقہ ارشاد فرمایا بلا وجہ عورت کو طلاق دینے کو بدترین جرم قرار دے دیا اور بوقت دکھ و مصیبت طلاق دینے کا بھی اختیار باقی رکھا۔ اسلام نے طلاق دینے کا اختیار مرد کو دے رکھا ہے اور اس اختیار کو استعمال کرنے کا بھی اچھا طریقہ فرمایا ہے۔

اگر مرد عورت کے اکٹھے رہنے کے مواقع ختم ہو گئے ہیں اور امن سے رہنے کی کوئی صورت نہیں عورت کو اپنے شوہر سے کوئی اچھائی کی صورت نظر نہیں آتی تو اس آیہ کریمہ میں خلع کا طریقہ فرما دیا گیا ہے کہ عورت حاکم وقت کے پاس جا کر خلع کا مطالبہ کرے، اگر حاکم دونوں میں صلح کرادے تو بہت اچھی بات ہے اگر ایسا نہ ہو سکے تو حاکم عورت سے حکم دے کہ وہ شوہر کی طرف سے لیا گیا حق مہر واپس کر دے اور دونوں کے درمیان علیحدگی کا حکم دیدے یہ خلع ہے اور اسے طلاق بائن کا حکم ہے۔ ہاں اگر زیادتی خاوند کی طرف سے ہے تو اسے خلع کے وقت بیوی سے کچھ لینا درست نہیں۔

اس حکم نازل ہونے کا سبب یہ بنا جمیلہ بنت عبداللہ ثابت بن قیس کے نکاح میں تھیں اس خاتون نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی حضور میں اپنے شوہر کے ساتھ نہیں رہ سکتی تو حضور ﷺ نے فرمایا تم وہ

باغ ثابت کو واپس کر دو جو اس نے تمہیں حق مہر میں دیا تھا، چنانچہ وہ اس پر راضی ہو گئیں اور باغ واپس کر دیا اب دونوں میں جدائی ہو گئی۔ یہ خلع تھا اس صورت میں عورت کو طلاق ہو جائے گی اس کی عدت بھی وہی عدت ہے جو دوسری طلاق میں ہے۔

قرآن مقدس کے اس ارشاد "امساك بمعروف او تسريح باحسان" سے کس قدر خوبصورتی سے یہ بات بتائی جا رہی ہے کہ شوہر کو چاہئے کہ وہ طلاق رجعی کے بعد رجوع کر کے بیوی کو آباد رکھے، اگر حالات ناسازگار ہیں تو پھر احسان کے ساتھ چھوڑ دے اُسے تنگ نہ کرے اور اسے چھوڑتے وقت اس کے سارے حقوق ادا کر دے۔

وَصلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلىٰ حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدِدِ خَلْقِهٖ

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى
تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ
اللّٰهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٢٣٠﴾

پھر اگر اس کو تیسری طلاق دیدی تو وہ عورت (اس تیسری طلاق) کے بعد اس پر حلال نہیں، یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے پھر اگر وہ (دوسرا شوہر) اس کو طلاق دیدے پھر ان پر کوئی حرج نہیں (کہ اس طلاق کی عدت گزرنے کے بعد) باہم رجوع کر لیں اگر ان کا یہ گمان ہو کہ وہ حدود اللہ کو قائم رکھ سکیں گے۔ یہ اللہ کی حدود ہیں جن کو اللہ ان لوگوں کیلئے بیان فرماتا ہے جو علم والے ہیں۔ (۲۳۰)

تفسیر

آیہ نمبر 229 میں دومرتبہ طلاق دینے کا ذکر تھا اور شوہر کو حق تھا کہ وہ عدت کے اندر اندر رجوع کرلے یا پھر احسن طریقے سے اسے فارغ کردے اور عورت کیلئے مشکلات کا سبب نہ بنے ،اس آیہ مبارکہ میں تیسری طلاق دینے کے بعد اُسے رجوع کرنے کا حق ختم کردیا گیا ہے اس تیسری طلاق کے بعد یہ نکاح حتمی ختم ہوگیا اور یہ بیوی اس پر حرام ہوگئی اب پھر دونوں کی مصالحت میں یہ ضروری ہوگیا ہے کہ یہ عورت عدت گزارے اور پھر دوسرے شوہر سے نکاح کرے۔اب اگر وہ دوسرا شوہر بھی اسے طلاق دے دیتا ہے، تو یہ عورت دوسرے شوہر سے طلاق ملنے پر عدت گزار کر پہلے شوہر سے نکاح کر سکے گی۔ یہ طلاق طلاق مغلظہ کہلاتی ہے۔

اس پریشان کن صورت کا حل بعض لوگوں نے حلالہ کی صورت میں تلاش کررکھا ہے، جو قطعی غلط ہے اگر اتفاق سے ایسا ہوگیا کہ عورت نے تین طلاق کے بعد عدت گزار کر دوسرے شوہر سے نکاح کرلیا اور پھر وہاں سے بھی خدا پناہ طلاق ہوگئی تو عدت گزارنے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے۔مگر طے شدہ پروگرام کے تحت نکاح کے بعد اسے طلاق دیدی جائے گی اور عدت گزار کر پہلے شوہر سے نکاح کرلے گی یہ قطعی ناجائز وحرام ہے۔حضور ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور جس کیلئے حلالہ کیا جارہا ہے ان دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ان آیات مقدسہ میں کسی عورت کے ساتھ اُسے تنگ کرنے ،دکھ دینے کیلئے نکاح کرنا جائز نہیں۔

وَصلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدِدِ خَلْقِہٖ

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ
فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ
وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ
ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ
اللّٰهِ هُزُوًا ؗ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ
عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

اور جب تم عورتوں کو رجعی طلاق دو اور پھر وہ اپنی عدت کو پہنچیں تو انہیں دستور کے مطابق اپنے نکاح میں روک لو یا ان کو حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دو اور انہیں تکلیف پہنچانے کیلئے نہ روکے رکھو کہ تم ان پر زیادتی کرو اور جس نے ایسا کیا تو بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اللہ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ اور اپنے پر اللہ کی نعمت کو یاد کرو اور اللہ نے جو تم پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے وہ تم کو اسکی نصیحت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو اللہ ہر شئی کو بہت جانتا ہے۔(۲۳۱)

تفسیر

اس آیہ مبارکہ میں طلاق رجعی کا ذکر فرمایا گیا ہے جب تک تم نے بیوی کو طلاق مغلظہ (تین طلاقیں) نہیں دیں اس وقت تمہیں اختیار ہے رجوع کرلو اور حسن سلوک کے ساتھ ٹھہراؤ اگر رجوع کا ارادہ نہیں تو اچھائی سے علیحدہ کردو، عورت کو ضرر نہ دیا جائے، تنگ نہ کیا جائے۔ اگر کسی نے ان اُصولوں سے انحراف کیا تو اس نے اپنی جان پر ظلم کیا ایسا کرنا آیات خداوندی سے مذاق کرنا ہوگا۔ اللہ کی نعمتوں کو اپنے پر یاد کرو اور جو اس نے تم پر نازل کیا قرآن وحکمت وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اس ارشاد میں احکام خداوندی کی اتباع کرنے کی توجہ دلائی جارہی ہے کہ قرآن جیسی عظیم کتاب تمہیں عطا ہوئی تمہیں اس کا

شکرادا کرنا چاہئے ،اوراحکام بجالانے چاہئیں۔

اس آیہ مبارکہ کے اترنے کا واقعہ اس طرح پیش آیا، ثابت بن یسار انصاری نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی جب عدت گزرنے میں دو چار دن رہ گئے تو رجوع کرلیا اور پھر طلاق دیدی کہ یہ دیر تک پریشان رہے یہاں تک کہ نوماہ گزر گئے تب یہ حکم نازل ہوا جس نے ایسا کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا،اس حکم سے اگلے حصہ ''اللہ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ'' کا شان نزول اس طرح ہے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ کہہ دیتے تھے میں نے اپنی بیٹی تیرے نکاح میں دیدی اور دوسرا کہہ دیتا میں نے قبول کرلی بعد میں لڑکی دینے والا کہہ دیتا میں نے تو ایسے ہی دل لگی کی تھی تو یہ حکم اترا،اللہ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

وَصلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدِدِ خَلْقِہٖ

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دیدو اور وہ اپنی مدت کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کے پہلے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب وہ ایک دوسرے سے راضی ہوجائیں اس حکم کے ساتھ ہر شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔ یہ حکم تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ اور زیادہ ستھرا ہے اور اللہ ہی جانتا ہے تم نہیں جانتے۔(۲۳۲)

صدق اللہ العظیم

تفسیر

پہلی آیہ مبارکہ میں عدت کا ذکر تھا اب اس ارشاد گرامی میں عدت کے بعد کا ذکر ہے جب مطلقہ عورت اپنی عدت گزارے اور پھر پہلے شوہر سے نکاح کرنا چاہے تو عورت کے ورثاء اسے منع نہ کریں کہ وہ پہلے شوہر سے نکاح کرے جب وہ دونوں رضامندی سے پھر نکاح کرنا چاہتے ہیں تو کرنے دیں۔ایک معنی یہ بھی ہے یہ عورت عدت کے بعد دوسرے کسی شخص سے نکاح چاہتی ہے تو پہلے شوہر کو حق نہیں پہنچتا کہ عورت کو روکے اور یہ سوچے کہ جب اس نے طلاق دیدی ہے تو کوئی دوسرا بھی اُس سے نکاح نہ کرے۔

اس آیہ مبارکہ کے نزول کا سبب یہ بنا،حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کا نکاح اپنے چچا زاد بھائی عبداللہ سے کردیا،اتفاق سے کسی وقت دونوں میاں بیوی میں مناقشہ ہوگیا اور حضرت عبداللہ نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی۔معقل بن یسار کو اپنی بہن جمیلہ کے مطلقہ ہوجانے پر دلی دکھ ہوا،عدت گزر جانے کے بعد عبداللہ بن عاصم نے پھر اپنی اسی بیوی سے نکاح کرنا چاہا انکی مطلقہ بیوی جمیلہ کی بھی مرضی تھی کہ نکاح کرلیں مگر معقل نے قسم کھالی کہ اب اپنی بہن جمیلہ کو دوسری مرتبہ عبداللہ بن عاصم کے نکاح میں نہیں دیں گے۔تو یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی حضور ﷺ نے حضرت معقل کو بلا کر یہ آیہ کریمہ سنائی تو حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے اپنا فیصلہ واپس لیا اور اپنی بہن جمیلہ کا نکاح عبداللہ بن عاصم سے کردیا اور قسم کا کفارہ ادا کیا۔عدت کے بعد دوبارہ نکاح کا مسئلہ طلاق رجعی کے بعد کا ہے یا یہ معنی ہوگا طلاق کوئی بھی ہو رجعی ہو یا بائنہ یا مغلظہ تو عورت کو کسی دوسری جگہ نکاح کرنے سے نہ روکو،انہیں ان کے تجویز کردہ شوہروں سے نکاح کرنے دو،جب اس میں راضی ہوگئے ہوں،اس آیہ مبارکہ سے پتہ چلتا ہے بالغہ عورت اپنے نکاح میں خود مختار ہے اپنے کسی وارث کے فیصلے کی محتاج نہیں ہاں اپنے ورثا سے مشورہ کرے تو اس کا ثواب بھی ضرور ہوگا اور رشتہ داروں میں اچھے تعلقات بھی ہوں گے۔

وَصلّی اللّٰـہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیبِـہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصحَابِہٖ بِعَدِدِ خَلقِہٖ

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ
كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ
وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ
بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ
لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ
بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ
اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا
اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ
مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا
اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

صدق اللہ العظیم

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ یہ (حکم) اس کیلئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت کو پورا کرنا چاہے اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ ہے ماؤں کی خوراک، لباس۔ کسی شخص کو اسکی طاقت سے زیادہ مکلّف نہیں کیا جائے گا۔ نہ ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف دی جائے اور نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف دی جائے اور وارث پر بھی اس طرح ذمہ داری ہے پھر اگر ماں باپ اپنے مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی حرج نہیں اور اگر تم دودھ پلانے والیوں سے اپنے بچوں کو دودھ پلانا چاہو تو تم پر کوئی حرج نہیں بشرطیکہ تم ان کو اصول کے مطابق اجرت ادا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے۔ (۲۳۳)

تفسیر

گزشتہ آیہ مقدسہ میں طلاق کا ذکر تھا، اب طلاق کے بعد یہ صورت بھی ہوسکتی ہے کہ مطلقہ کے پاس بچہ ہے اسکی پرورش کیسے ہو، تو اس کے دودھ پلانے کا ذکر فرمایا جارہا ہے، بچے کو دودھ پلانے اور چھڑانے میں

دونوں ماں باپ کے باہمی مشورہ کو لازمی قرار دیا گیا اور فرمایا گیا ہے کہ دودھ پلانے کی مدت تو دو سال ہی ہے مگر ماں باپ اتفاق سے کمی کرنا چاہیں تو ان پر کوئی حرج نہیں۔ یہ بھی فرما دیا گیا اگر تم اسے دایہ سے دودھ پلوانا چاہو تو بھی حرج نہیں مگر یہ ضروری ہے کہ ان سے طے شدہ اجرت انہیں خوش اسلوبی سے ادا کرو اور تمام احکام کے بجا لانے میں اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ یقین رکھو کہ وہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے "والوالدات یرضعن" کے ارشاد سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ بچے کو اصل دودھ پلانے کا حق ماں کا ہی ہے ہاں جب ماں کے دودھ نہ ہو یا دودھ نقصان دے یا کسی بیماری کے باعث ماں معذور ہے تو دایہ کی خدمات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ یہ بھی یاد رہے ماں مطلقہ ہو یا نہ اس پر بچے کو دودھ پلانا واجب ہے بشرطیکہ باپ کو اجرت پر دودھ پلوانے کی طاقت نہ ہو اگر وہ طاقت رکھتا ہے تو پھر ماں پر دودھ پلانا مستحب ہے۔

اس ارشاد مبارکہ میں بچے کو دودھ پلانے کی مدت دو سال مقرر کی گئی ہے کم مدت کا ذکر نہیں ماں باپ مشورہ سے جتنا عرصہ چاہیں کر لیں۔ یہ بھی وضاحت فرما دی گئی کہ دودھ پلانے والی کا کھانا، لباس، خرچ باپ کے ذمہ ہے۔ اسی آیہ مبارکہ سے یہ بھی واضح ہے کہ باپ فوت ہو گیا تو باپ کے بعد وارث پر بچہ کے خرچ کو واجب کیا گیا ہے۔

اس آیہ مبارکہ میں والدین کی رضا مندی سے دو سال سے پہلے دودھ چھڑایا جا سکتا ہے مگر دو سال پورے ہونے پر دودھ چھڑانا واجب۔ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے ہاں اس مدت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی دودھ چھڑانا مشورہ سے ہوگا۔ اڑھائی سال پورے ہونے پر واجب ہے (نعیمی)

اس آیہ مبارکہ سے یہ بھی پتہ چلا کہ بچے کی تربیت میں ماں کو پہلا درجہ حاصل ہے اور اسی کا حق ہے ہاں کوئی عذر ہو تو پھر دایہ سے خدمت لی جائے گی اسی آیہ مبارکہ سے باہمی مشورے کی اہمیت بھی واضح ہو رہی ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

صدق اللہ العظیم

اورتم میں سے جولوگ فوت ہوجائیں اوراپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ (خواتین)اپنے دوسرے نکاح کرنے کیلئے اپنے آپ کوچار مہینے اور دس دن تک پابند رکھیں اور جب وہ اپنی عدت پوری کرلیں توتم پرکوئی حرج نہیں کہ وہ دستور کے ساتھ جوکام کریں اورتم جوکچھ کرتے ہواللہ خبر رکھنے والا ہے۔(۲۳۴)

تفسیر

اس سے پہلی آیات مبارکہ میں مطلقہ عورت کی عدت کا ذکر تھااس ارشاد گرامی میں بیوہ کی عدت کا ذکر ہےاور یہ مدت چارہ ماہ دس دن ہے،اس دوران یہ عورت اپنے شوہر کے گھر بغیر نکاح کے ٹھہری رہے۔اس خاتون کو بغیر کسی شرعی عذر کے باہر جانے کی اجازت نہیں ۔مطلقہ کی عدت تین حیض کا گزرنا ہے بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔حاملہ کی عدت وضع حمل ہے کسی کوکسی موت پراتناعرصہ سوگ منانے کی اجازت نہیں صرف بیوہ اپنے شوہر کی موت پر چار ماہ دس دن تک سوگ مناسکتی ہے۔

اسکےعلاوہ کسی بھی قریبی سے قریبی رشتہ دار پر اتناعرصہ سوگ کی اجازت نہیں حضور ﷺ نے فرمایا جو عورت اللہ پراورآخرت کے دن پریقین رکھتی ہےاس کیلئے یہ جائزنہیں کہ کسی کی مرگ پرتین دن سے زیادہ سوگ منائے،سوائے شوہر کےاس پرچار ماہ دس دن سوگ کرے۔سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی کی موت پرخوشبومنگوا کرلگائی اورفرمایا مجھے خوشبولگانے کی ضرورت نہ تھی چونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ کسی عورت کوکسی میت پرتین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائزنہیں۔صرف خاوند کی موت پر چار ماہ دس دن سوگ کرے۔

صرف یہی نہیں کہ اس دوران نکاح نہ کرے بلکہ عدت کے اندر رنگین ریشمی لباس سے بچے خوشبو سے پرہیز کرے۔ اور دوسرے آرائش کے سامان سے بھی بچے۔شوہر کے مکان میں ہی ٹھہرے کوئی ضروری کام ہوتو جاسکتی ہے مگر رات میں واپس آئے گی۔

وَصلّٰی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدَدِ خَلْقِہٖ

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ
النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ
سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا
اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا وَلَا تَعْزِمُوْا
عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝

صدق اللہ العظیم

اور تم پر اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم (عدت والی خواتین) کو اشارہ سے نکاح کا پیغام دو یا تم اپنے دلوں میں چھپاؤ اللہ کو علم ہے کہ تم عنقریب ان عورتوں کا ذکر کرو گے لیکن تم (عدت گزرنے سے پہلے) ان سے کوئی خفیہ وعدہ نہ کرو البتہ شریعت کے مطابق ان سے بات کرو اور جب تک مدت پوری نہ ہوجائے ان سے نکاح کرنے کا عزم نہ کرو،اور یقین رکھو کہ اللہ تمہارے دلوں کی باتوں کو جانتا ہے اس سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو اللہ بہت بخشنے والا ہے حلم والا ہے۔(۲۳۵)

تفسیر

پچھلی آیہ مبارکہ میں عدت کے اندر نکاح کرنے کی ممانعت تھی اب اس سے بھی کچھ آگے فرمایا گیا کہ اس دوران نکاح کا پیغام بھی نہ دو۔ کہ اس گھر میں تو غم اندوہ کا اندھیرا ہے اب تمہاری طرف سے شادی کا

جشن نامناسب ہے، مرنے والے سے بھی کوئی اچھا انداز معلوم نہیں ہوتا ہاں اگر راز داری سے اظہار ہو جائے تو حرج بھی نہیں اچھی صورت یہی ہے کہ بات راز میں ہی رہے۔

اس آیہ مبارکہ میں طلاق یا وفات کی عدت گزارنے والی عورت سے نکاح کرنے کے ارادہ سے بھی منع فرمایا گیا ہے دوران عدت نکاح کرنے کو جرم قرار دیا ہے۔اس آیہ مبارکہ سے یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ حرام کام کا کرنا بھی گناہ ہے اور اس کا عزم بھی گناہ ہے اس سے بھی بچنا ضروری ہے۔

اس آیہ مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ نکاح کا پیغام بھی مرد کو دینا چاہیے یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ دوران عدت مرد و عورت دونوں اشارہ کنایہ سے بات کرلیں تو حرج نہیں۔آیہ مبارکہ کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ گناہوں سے درگزر فرماتا ہے اور حلم والا ہے معمولی گناہوں پر مواخذہ نہیں فرماتا۔

وَصلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلىٰ حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾

صدق اللہ العظیم

تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دیدو جب تم نے انہیں ہاتھ نہ لگایا ہو یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو اور تم انہیں استعمال کیلئے کوئی چیز دیدو خوش حال (آدمی) پر اس کے موافق ہے اور تنگدست پر اس کے (حال) کے مطابق، بھلائی کے مطابق انہیں فائدہ پہنچانا نیکی کرنے والوں پر ان کا حق ہے۔(۲۳۶)

تفسیر

پچھلی آیہ مبارکہ سے اس آیہ کریمہ کا ربط یہ ہے: پہلے ان طلاق والی خواتین کا ذکر ہوا جن پر عدت

واجب ہے اس آیہ مبارکہ میں ان خواتین کا ذکر ہے جن پر عدت واجب نہیں۔ نکاح تو ہو گیا ہے مگر میاں بیوی نے خلوت نہیں کی اور ازدواجی تعلقات قائم ہونے سے پہلے ہی طلاق ہو گئی ایسی عورت جس کا مہر بھی مقرر نہیں ہوا تھا اور خلوت بھی اس سے نہیں ہوئی تھی تو طلاق دینے میں گناہ نہیں، مگر ایسی عورت کو خرچہ کیلئے کچھ دیدیا جائے کہ اس کی دلجوئی ہو بلکہ ایسی مالی معاونت مرد کی حیثیت کے مطابق ہونی چاہئے۔

اس آیہ مبارکہ کے اترنے کا سبب یہ ہوا، ایک انصاری نے قبیلہ بنی حنفیہ کی ایک عورت سے نکاح کیا اور مہر مقرر نہ کیا پھر اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا اور طلاق دیدی چونکہ اس قسم کی طلاق پہلے کوئی واقع نہ ہوئی تھی تو اس کے احکام میں حیرت ہوئی اس پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ
وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا
فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ
بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ
لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

صدق اللہ العظیم

اور اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدی حالانکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کئے ہوئے مہر سے آدھا (ادا کرنا واجب ہے) ہاں اگر عورتیں کچھ چھوڑ دیں یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے (مرد) وہ کچھ زیادہ دیدے (تو ٹھیک ہے) اور تمہارا زیادہ ادا کرنا پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ بھلائی کرنے کو بھولو مت، بیشک اللہ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو دیکھنے والا ہے۔ (۲۳۷)

تفسیر

پچھلی آیہ مبارکہ میں مباشرت سے پہلے طلاق دینے کا ذکر ہوا، اس میں دو صورتیں ہیں، پہلی یہ کہ نکاح کے وقت مہر مقرر ہی نہ کیا گیا ہو دوسری یہ کہ حق مہر مقرر کیا گیا تھا۔ پہلی صورت پچھلی آیہ کریمہ میں بیان ہوئی ہے دوسری صورت اور اس کے احکام اس آیہ پاک میں بیان ہیں۔

اس آیہ کریمہ میں طلاق دینے والے خاوندوں کو حکم فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم نے مباشرت سے پہلے طلاق دیدی ہے اور حق مہر مقرر کر چکے ہو تو تم پر حق مہر کا آدھا ادا کرنا لازم ہے ہاں وہ عورت آدھا بھی معاف کر دے تو الگ بات ہے۔ ہاں شوہر پورا دیدے اور اس سے کچھ واپس نہ لے تو اُسے بھی اختیار ہے تقوی کے قریب یہی ہے کہ شوہر زیادہ دیدے۔ شوہروں، بیویوں، اور ان کے ورثاء کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اس صورت اختلاف کے بعد تم ایک دوسرے کے احسانات کو فراموش نہ کرو کہ تمہارے درمیان ایک زبردست رشتہ قائم ہے جسے ایمانی اور دینی رشتہ کہا جاتا ہے۔ اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔ اچھے معاملات اچھے تعلقات کا ہونا ایک بہتر دینی کام ہے۔ جسے بھولنا نہیں چاہئے۔

وَصلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدِدِ خَلْقِہٖ

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿٢٣٨﴾ — نمازوں کی پابندی کرو خصوصاً درمیانی نماز کی اور اللہ کے سامنے عاجزی سے قیام کرو۔ (۲۳۸)

صدق اللہ العظیم

تفسیر

گزشتہ آیات مقدسہ میں انسانی زندگی کے مشکل معاملات نکاح طلاق عدت وغیرہ کا ذکر ہوا۔ ظاہر ہے یہ مشکل مسائل کو نبھانا اور صحیح صحیح ادائیگی کرنا بہت بڑا اہم کام ہے۔ اب ان مشکل کاموں کو صحیح طریق سے نبھانے کیلئے ان کے مدد و معاون وظیفہ نماز کا ذکر فرمایا گیا کہ نماز کی ادائیگی سے یہ مشکل مسائل آسانی

سے حل ہوسکیں گے۔''حـافـظـو ا '' کے ارشاد سے نمازوں کو باقاعدگی کے ساتھ ادا کرتے رہنے کا حکم دیا جارہا ہے۔اسلام میں عبادات کو اہمیت ہے اور یہ نماز ایک ایسی اہم عبادت ہے جسے دن میں پانچ مرتبہ ادا کرنے کا حکم ہے باقی تمام اہم عبادات ایسے نہیں۔روزہ ہے تو سال کے بعد،حج ہے تو سال کے بعد،زکوٰۃ ہے تو سال کے بعد مگر نماز دن میں پانچ مرتبہ ہے۔ ہمارے تمام قسم کے معاملات گھریلو ہوں یا باہر کے تمام کو دل سے تعلق ہے اور دل کی اصلاح اور بہتری کیلئے نماز اہم وظیفہ ہے۔

نمازوں کی پابندی کے حکم کے ساتھ نماز وسطیٰ کا ذکر خصوصاً فرمایا گیا ہے۔لفظ'' وسطی '' کے کئی معنی کئے گئے ہیں،مگر جمہور کے نزدیک اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔حضور ﷺ نے فرمایا کفار نے ہمیں نماز وسطیٰ سے روک دیا۔ یہ واقعہ خندق کے دن پیش آیا جب آپکی نماز عصر رہ گئی تھی۔عصر کے وقت کی قسم بھی اٹھائی گئی ہے''والعصر ''اس وجہ سے بھی اس نماز کی اہمیت ہے کہ یہ وقت کھیل کود،تجارت اپنے کاموں میں مصروفیت کا وقت ہے۔تو توجہ دلائی گئی ہے اس وجہ سے بھی اسکی اہمیت ہے کہ اس نماز پر رات اور دن کے فرشتے اکٹھے ہوتے ہیں۔

'' حـافـظو ا ''میں صرف پانچ نمازوں کا ہی مسئلہ نہیں بلکہ تمام قسم کی نمازوں میں عجز وانکساری اختیار کرنے کا حکم دیا جارہا ہے ۔پنجگانہ نمازوں میں تو یہ محافظت فرض قرار دی گئی ہے جس کی پابندی از حد ضروری ہے۔

اس آیہ مبارکہ کے اترنے کا واقعہ اس طرح ہوا کہ ایک قوم اپنے ذاتی کاموں میں اس قدر مگن ہوگئی مکانات بنانے میں دلچسپی لی گئی،مسجدوں کی رونق کو برباد کیا گیا تو یہ حکم نازل ہوا نمازوں کی پابندی کرو ''قـانتین '' کے حکم سے نماز میں تمام قسم کے معاملات کھانا،پینا،بات کرنا،ادھر ادھر جھانکنا،سلام کا جواب دینا تمام معاملات کو ناجائز قرار دیدیا گیا ہے۔

وَصلَّی اللّٰـہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِـہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدِدِ خَلْقِہٖ

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۚ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٩﴾

صدق اللہ العظیم

پس اگر تم حالت خوف میں ہو تو پیدل چلتے ہوئے یا سواری پر (نماز پڑھ لو) پھر جب خوف جاتا رہے اور امن ہو تو اللہ کی یاد کرو جیسے اس نے تمہیں سکھایا ہے جسے تم نہیں جانتے تھے (۲۳۹)

تفسیر

اس آیہ مبارکہ سے نماز کی اہمیت کو واضح فرمایا گیا، کہ یہ ایسا فریضہ ہے جسے کسی حالت میں بھی چھوڑا نہیں جا سکتا۔ وہ حالت جنگ کی ہی کیوں نہ ہو، ہاں یہ آسانی پیدا کر دی گئی کہ خوف کی حالت میں چلتے چلتے نماز پڑھ لو تو بھی ٹھیک ہے، اپنی سواریوں پر پڑھ لو تو بھی ٹھیک ہے۔ اور جب امن کی حالت میں ہو جاؤ تو اللہ کی یاد کرو جیسے اس نے تمہیں سکھایا ہے جو کچھ تم نہ جانتے تھے۔

نماز کی اہمیت پر بہت سی احادیث مبارکہ وارد ہیں۔ امام طبرانی نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے حضور ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن جس چیز کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے اگر نماز درست ہوگی تو باقی اعمال بھی درست ہوں گے اگر نماز فاسد ہوئی تو باقی عمل بھی فاسد ہوں گے۔ یہی امام طبرانی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا جو امانت دار نہیں اس کا ایمان نہیں جس کا وضو نہیں اسکی نماز نہیں اور جس کی نماز نہیں اس کا کوئی دین نہیں۔ دین میں نماز ایسے ہے جیسے جسم میں سر ہے۔ امام بزار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت کرتے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا جس کی نماز نہ ہو اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾

صدق اللہ العظیم

اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں وہ اپنی بیویوں کیلئے وصیت کر جائیں کہ انہیں ایک سال تک خرچ دیا جائے اور گھر سے نکالا نہ جائے پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں، جو انہوں نے کیا اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔(۲۴۰)

تفسیر

پچھلی آیات مقدسہ میں خواتین کی عدت اور نان ونفقہ کا ذکر ہوا ہے اب بیوہ عورتوں کو بحالت عدت مکان دینے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

اس آیہ مبارکہ کے اترنے کا سبب یہ ہوا، طائف میں ایک شخص حکیم بن حارث رہتے تھے، حضور ﷺ کے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ پہنچ جانے کے بعد یہ بھی سب کچھ چھوڑ کر بال بچوں سمیت مدینہ منورہ چلے گئے، وہاں جا کر ان کی موت واقع ہوگئی۔ ان کی جائیداد کو ان کے وارثوں میں تقسیم کیا گیا اس وقت بیوی محروم ہوئی تو سب وارثوں کو حکم دیا گیا کہ ایک سال تک حکیم کی بیوی کو نان ونفقہ اور مکان دیں۔

اسلام کے آغاز میں بیوہ کی عدت ایک سال تھی پھر جب چار ماہ دس دن کا حکم نازل ہوا تو یہ فیصلہ منسوخ ہو گیا جب اسلام نے بیوہ کو وراثت میں حقدار بنایا تو یہ سال کا نان ونفقہ کا مسئلہ بھی ختم ہو گیا۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝۲۴۱
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۲۴۲

صدق اللہ العظیم

اور اسی طرح جن (خواتین) کو طلاق دی گئی ان کو مناسب طریقے پر خرچ دینا چاہئے (یہ) پرہیز گاروں پر لازم ہے (۲۴۱) اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام کھول کر بیان فرماتا ہے کہ تم سمجھ جاؤ۔ (۲۴۲)

تفسیر

اسلام نے مطلقہ عورت کی عدت مقرر کردی ہے، طلاق کے بعد اسے فوراً دوسری جگہ نکاح کی اجازت نہیں دی گئی کہ پتہ چل جائے یہ حاملہ تو نہیں، یہ خاوند کے نسب کی حفاظت کی ہے۔ طلاق کے بعد بھی یہ عورت اپنے شوہر کے حقوق کی حفاظت کیلئے پابند ہے اس آیہ مبارکہ میں '' متاع '' سے مراد اُن کا حق مہر ہے اور طلاق کے بعد حق مہر ادا کرنا واجب ہے۔ متاع کا ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ مہر کے علاوہ عورت کو لباس وغیرہ بھی دیا جائے، جس عورت کا حق مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور اسکو مباشرت سے پہلے طلاق دیدی گئی ہو اس کو لباس دینا واجب ہے، اس کے علاوہ باقی صورتوں میں مستحب ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۠ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۣ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۲۴۳

صدق اللہ العظیم

کیا تم نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں، جو ہزاروں کی تعداد میں موت کے خوف سے اپنے گھروں سے نکلے تھے اللہ نے انہیں فرمایا مرجاؤ پھر اللہ نے ان کو زندہ کیا بے شک اللہ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ (۲۴۳)

تفسیر

ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ یہ لوگ دور دراز بستی کے رہنے والے تھے ان کی تعداد چار ہزار تھی، شہر میں طاعون کی بیماری پھیلی تو یہ ڈر کر باہر نکل گئے اس شہر کا ایک گروہ وہاں ٹھہرا رہا۔ ٹھہرنے والوں میں سے کچھ مر گئے اور بھاگنے والے بچ گئے۔ طاعون ختم ہونے پر وہ لوگ واپس آئے شہر میں بچ جانے والوں نے کہا یہ ہمارے بھائی عقلمند تھے جو بھاگ گئے کاش ہم بھی نکل جاتے ،اگر پھر کبھی ایسی صورت ہوئی تو ہم بھی نکل جائیں گے۔ اگلے سال پھر یہ بیماری پھیل گئی اور پھر اگلے پچھلے سارے لوگ نکل گئے ان کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ تھی ایک جگہ پر انہوں نے قیام کیا، اللہ تعالی کے حکم سے فرشتے نے انہیں کہا مر جاؤ، وہ مر گئے جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا، مردہ پڑے رہے۔ پھر وہاں سے سیدنا حزقیل علیہ السلام کا گزر ہوا اور آپ انہیں دیکھ کر حیران ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی فرمائی کہ آپ ہڈیوں سے کہیں وہ اللہ کے حکم سے جمع ہو جائیں، تو وادی کے اوپر نیچے کی ساری ہڈیاں جمع ہوگئیں۔ اور ہر جسم کی ہڈیاں جڑ گئیں، پھر وحی ہوئی کہ اے حزقیل! آپ کہیں ہڈیو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے گوشت پوست میں ملبوس ہو جاؤ، پھر حکم ہوا انہیں کہو یہ اللہ کے حکم سے اٹھ جائیں چنانچہ وہ سب زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور انکی زبانوں پہ یہ کلمہ جاری تھا ''سبحانك لااله الا انت'' پھر وہ اپنے گھروں کو واپس ہو گئے وہاں رہنے لگے مگر جب وہ لباس پہنتے تھے تو وہ ان کے جسم پر پرانے کفن کی صورت اختیار کر لیتا تھا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا انبیاء علیہم السلام کو بارگاہ رب العزت میں شرف حاصل ہے، جو چاہیں رب تعالیٰ انہیں قبولیت سے نوازتا ہے۔ حضرت حزقیل علیہ السلام کی درخواست پر یہ مردہ قوم دوبارہ زندہ ہوگئی اس واقعہ سے مسلمانوں کو گزشتہ قوم کے عمل سے عبرت دلانا ہے کہ موت بھاگنے سے ٹل نہیں جاتی کہ جس موت سے وہ لوگ ڈر کر بھاگے تھے وہ پھر مسلط کر دی گئی پھر کچھ عرصہ بعد انہیں زندگی بخش دی گئی۔ حضور ﷺ کی امت سے فرمایا جا رہا ہے کہ تم ان کی طرح ایسا مت کرو۔

وَقَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾

صدق اللہ العظیم

اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو اور جان لو بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا ہے سب کچھ جاننے والا ہے۔(۲۴۴)

تفسیر

پہلے قوم کے بھاگنے اور موت سے ڈرنے کے واقعہ کو بیان فرما کر بتایا جا رہا ہے کہ کسی قسم کی تدبیر تقدیر کو بدل نہیں سکتی، کوئی شخص موت کو ٹال نہیں سکتا ہے، یہ قوم موت کے ڈر سے بھاگی تھی مگر پھر بھی اسے موت نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ مسلمانوں سے فرمایا جا رہا ہے جب موت ٹل نہیں سکتی تو موت سے بے خوف ہو کر حوصلے اور ہمت سے اللہ کی راہ میں جنگ کرو۔ اس ارشاد میں مسلمانوں کو جہاد کرنے میدان میں اترنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلىٰ حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

مَنْ ذَا الَّذِىْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۚ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

صدق اللہ العظیم

کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے تو اللہ تعالیٰ اس کے قرض کو اس کیلئے کئی گنا بڑھا دے اور اللہ تعالیٰ (رزق) تنگ کرتا ہے اور فراخ کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ (۲۴۵)

تفسیر

یہاں قرض کا معنی ادھار نہیں کہ ادھار تو وہ لیتا ہے جسے کسی شی کی محتاجی ہو اور اللہ تعالیٰ ہر محتاجی سے پاک ہے۔ یہاں پر قرض سے مراد یا تو وہ نیکی ہے جو ثواب کی نیت سے کی جائے۔ اے مسلمانو! جب تمہیں یہ پتہ

چل گیا کہ بھاگنے سے موت سے بچ نہیں سکتے، موت نے تو ہر حال میں آنا ہی ہے تو پھر تمہیں چاہئے کہ جہاد سے گھبراؤ مت بلکہ اللہ کی راہ میں خلوص سے لڑو گویا پچھلی آیہ پاک میں وبائی امراض سے نہ بھاگنے کی رغبت دلائی گئی تھی اب اللہ کی راہ میں لڑنے سے نہ گھبرانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس آیہ مبارکہ کے اترنے کا سبب یہ ہوا ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی حضور! میرے پاس دو باغ ہیں اگر ایک کو اللہ کی راہ میں صدقہ کر دوں تو کیا مجھے اس جیسا باغ جنت میں ملے گا فرمایا ہاں پھر عرض کی حضور میرے ساتھ میری بیوی ام الدرداء بھی ہوگی فرمایا ہاں، پھر عرض کی حضور میرے بچے بھی ساتھ ہوں گے، فرمایا ہاں۔ اس پر آپ نے دونوں باغوں میں جو بہترین باغ تھا خیرات کر دیا ان کے بال بچے بھی اس باغ میں رہتے تھے خیرات کر دینے کے بعد دروازے پر کھڑے ہو کر بیوی سے فرمایا کہ یہاں سے نکل جاؤ میں نے یہ باغ اللہ کی راہ میں دیدیا ہے۔ اب یہ باغ ہمارا نہیں رہا، بیوی نے کہا آپ کو مبارک ہو آپ نے بہترین گاہک کے ہاتھ بڑے ہی نفع کا سودا کیا۔ حضرت ابوالدرداء کے اس باغ میں کھجوروں کے 600 پودے تھے۔ امام بیہقی نے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے حضور ﷺ نے فرمایا آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ایک فرشتہ یہ کہتا رہتا ہے وہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے اور کل اسکی جزا لے۔

وَصلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدَدِ خَلْقِہٖ

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الۡمَلَاِ مِنۡۢ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰى ‌ۘ اِذۡ قَالُوۡا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ ابۡعَثۡ لَنَا مَلِکًا نُّقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ؕ قَالَ هَلۡ عَسَيۡتُمۡ اِنۡ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوۡا ‌ؕ قَالُوۡا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَقَدۡ اُخۡرِجۡنَا مِنۡ دِيَارِنَا وَاَبۡنَآئِنَا ‌ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقِتَالُ تَوَلَّوۡا اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۴۶﴾

صدق اللہ العظیم

کیا آپ نے موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے ایک گروہ کو نہیں دیکھا، جب انہوں نے اپنے نبی سے کہا ہمارے لئے کوئی بادشاہ مقرر کردیں تو ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ (نبی) نے انہیں کہا اگر تم پر جہاد فرض کردیا جائے تو شاید تم جہاد نہیں کرو گے۔ تو انہوں نے کہا ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد نہ کریں حالانکہ ہمیں اپنے گھروں اور اہل وعیال سے نکال دیا گیا ہے پھر جب ان پر جہاد فرض کردیا گیا تو چند لوگوں کے سوا سب نے روگردانی کی اور اللہ تعالی ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔ (۲۴۶)

تفسیر

پچھلی آیہ مبارکہ میں جہاد کا حکم تھا اس آیہ مبارکہ میں تشریح فرمائی گئی کہ جہاد اللہ کی رضا کیلئے جنگ کرنے کا نام ہے۔ ملک گیری، ہوس، اقتدار یا انتقام کا جذبہ شامل ہوجائے تو جہاد کی روح ختم ہوجاتی ہے حضور ﷺ سے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کا ذکر فرمایا گیا کہ محبوب آپ نے بنی اسرائیل کی وہ جماعت نہیں دیکھی جس نے اپنے نبی سے کہا تھا ہم پر کوئی حکمران مقرر فرمادیں جس کی قیادت میں ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں ان کے نبی نے کہا اندیشہ ہے اگر تم پر جہاد فرض کردیا گیا تو تم نہ کروگے، قوم نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم جہاد نہ کریں گے ہم تو کفر سے پریشان ہیں ہمیں ملک بدر کیا گیا، ہم پر مظالم ڈھائے گئے ، ہماری اولاد کو قید کیا گیا۔ ان کے اصرار پر جب ان پر جہاد فرض کردیا گیا تو ان میں کثیر تعداد نے انکار کردیا

صرف چند ایک وعدے پر پکے رہ گئے، فرمایا گیا اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے وہ سب کو سزا دیگا۔

بنی اسرائیل کے اس گروہ کا واقعہ حضرت شموئیل علیہ السلام کے زمانہ میں پیش آیا آپ کے نبی ہونے پر قوم نے اعتراضات کیئے اور کہا اگر آپ نبی ہیں تو ہمارے لئے کوئی بادشاہ مقرر کریں۔ جس کی کمان میں ہم قوم عمالقہ سے جنگ کریں جنگی سرکشیاں بڑھ چکی تھیں۔ جب انکی بات تسلیم کرلی گئی اور جہاد کا حکم ہو گیا تو اکثریت نے انکار کردیا اس واقعہ سے پتہ چلا بادشاہوں کا تقرر بھی نبی ہی کرتے تھے۔ بنی اسرائیل کی انبیاء سے مخالفت کے پہلو سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل انبیاء سے بے وفائی کرتے تھے۔ حضور ﷺ کی امت حضور ﷺ سے وفادار تھی، ہے، اور رہے گی۔

وَصلّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بِعَدِدِ خَلْقِہٖ

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوٓا أَنّٰى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٧﴾

صدق اللہ العظیم

ان کے نبی نے ان سے کہا بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے طالوت کو امیر مقرر فرمادیا ہے تو وہ بولے یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ اسے ہم پر حکومت کا حق ہو، ملک کے زیادہ حقدار تو ہم ہیں، اسے مال و دولت میں فراخی نہیں دی گئی ۔ نبی نے (جوابا) فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے اسے تم پر چن لیا ہے اور اُسے علم وجسم میں تم پر زیادتی دی ہے اور اللہ اپنا ملک جسے چاہتا ہے عطا کردیتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔(۲۴۷)

تفسیر

ان لوگوں کے اصرار پر اللہ تعالیٰ نے طالوت کو ان کا حکمران مقرر فردیا تو اعتراض کرنے لگے کہ یہ غریب ہے، نادار ہے، مفلس ہے اسکی مالی حالت اچھی نہیں، سالار قافلہ کو تو چاہئے کہ امیر ہو، مالدار ہو یہ اعتراض بھی کیا۔ یہ شخص لاوی بن یعقوب کی اولاد سے نہیں اور نہ ہی یہ یہودا بن یعقوب کی اولاد سے ہے۔ حضرت شموئیل علیہ السلام نے انہیں سمجھایا یہ شخص علم وفضل میں ہمت میں بہادری میں تم سے آگے ہے اور اسے یہ امتیاز حاصل ہے۔ حکمران کیلئے تمہارا قائم کردہ نظریہ کہ وہ مالدار ہو، صاحب سروت ہو، اچھا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لوط کو جسم میں علم میں فوقیت دی ہے انکی ہیبت، ان کا قد لوگوں پر حاوی تھا۔ عام لوگ بہ مشکل ان کے کندھے تک پہنچے تھے۔ حضرت سموئیل نے انہیں بتایا، طالوت کا انتخاب خود خدائے ذوالجلال کا انتخاب ہے تمہیں اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔ اللہ وسعت والا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔ لوط کے بادشاہ بننے کا خلاصہ تفاسیر میں اس طرح ملتا ہے کہ حضرت شموئیل نے دعا کی الہٰی قوم کیلئے بادشاہ عطا کر تو آپ کو ایک لاٹھی دی گئی فرمایا گیا اس سے اسرائیلیوں کے قد ماپ لو جس کا قد اس کے برابر ہو وہ بادشاہ ہے دوسری نشانی یہ فرمائی گئی کہ بیت المقدس سے ایک شیشی میں پانی بھر لو اور ڈھکنا لگا دو جس شخص کے داخل ہونے پر اس شیشی کا ڈھکنا کھل جائے اور بوتل جوش مارے وہی بادشاہ ہے۔ اس نشانی پر سوائے طالوت کے کوئی بنی اسرائیل سے پورا نہ اتر سکا۔

اتفاق ہوا حضرت طالوت کا گدھا گم ہو گیا تلاش کرتے کرتے حضرت سموئیل کے گھر سے گزرے تو آپ کے خادم نے طالوت سے کہا یہاں حضرت سموئیل نبی ہیں ان سے پوچھ لیتے ہیں کہ گدھا کہاں ہے اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو اطلاع دیدیتا ہے چنانچہ آپ اندر گئے تو شیشی کے اندر تیل نے جوش مارا اور اس کا ڈھکنا کھل گیا حضرت سموئیل نے وہ تیل ان کے سر میں ڈالا اور انکی حکمرانی کا اعلان فرما دیا آپ سے جب گدھے کا پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا جاؤ تمہارا گدھا گھر پہنچ گیا ہے۔ (درمنثور)

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٤٨﴾

صدق اللہ العظیم

اوران سے ان کے نبی نے فرمایا اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس تابوت آئے جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا اطمینان وسکون ہے اور موسی وہارون کے ترکہ کی کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں فرشتے اُٹھائے لائیں گے بے شک اس میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر ایمان رکھتے ہو۔(۲۴۸)

تفسیر

پچھلی آیہ مبارکہ میں ظالموں کی سلطنت کا ذکر تھا اب اس کے دلائل فرمائے گئے جنہیں دیکھ کر کسی کو انکار کی گنجائش نہ رہے۔بنی اسرائیل نے حضرت شموئیل علیہ السلام کے ارشادات کو سن کر عرض کی طالوت کے حکمران ہونے کی کوئی واضح نشانی بھی ہونی چاہئے جسے دیکھ کر انکار کی مجال نہ رہے تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے سامنے ایک صندوق آئے گا جسے دیکھ کر تمہیں سکون نصیب ہوگا۔اس میں موسٰی ،ہارون علیہما السلام کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہوں گے،مقدس اشیاء ہوں گی۔جن میں موسیٰ علیہ السلام کا عصاء،عمامہ وغیرہ اوراس صندوق کوفرشتے اٹھائے ہوں گے اگر تم مانتے ہوتو یہ بڑی دلیل ہے۔اس صندوق کو"تابوت سکینہ" کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔اس تابوت کے بارہ میں مختلف روایات واقوال ہیں تفسیر کبیر نے جو ذکر کیا۔یہ ہے:یہ تابوت لکڑی کا تھا،اس پر سونے کی چادر تھی تین ہاتھ لمبا اور دو ہاتھ چوڑا تھا اس میں انبیاء علیہم السلام کے مکانات کی تصاویر تھیں۔یہ صندوق آدم علیہ السلام سے منتقل ہوتا ہوا موسی علیہ السلام تک پہنچا۔موسٰی علیہ السلام جنگ کے موقع پر اس صندوق کو آگے رکھتے اور اس کی برکت سے فتح یاب ہوتے۔اسی طرح تابوت بنی اسرائیل میں منتقل ہوا تو جب ان کی بدعملی بڑھ گئی تو ان پر قوم عمالقہ مسلط کر دی گئی اور وہ تابوت

لے گئی پھر عمالقہ نے بے حرمتی کی تو یہ قوم بھی سخت مصیبت میں مبتلا ہوگئی پھر قوم کو سمجھایا یہ سارے مصائب تابوت کی بے حرمتی کے باعث ہیں تو انہوں نے یہ صندوق بیل گاڑی پر رکھ کر بیلوں کو ہانک دیا ادھر شموئیل علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بتایا کہ لوط کے پاس تابوت آرہا ہے۔ بنی اسرائیل نے تابوت دیکھا اور خوش ہوگئے اور طالوت سے بیعت کر لی۔ اس واقعہ سے تبرکات کا اصل بھی ثابت ہو رہا ہے اور تبرکات سے مشکلیں ٹل جانے کا پتہ بھی چل رہا ہے۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اہل اللہ کے تبرکات سکون کا باعث بنتے ہیں۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۚ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ

جب طالوت اپنے لشکروں کو لے کر روانہ ہوا تو اس نے کہا (اے لشکر والو) بے شک اللہ تمہیں ایک دریا کے ذریعہ آزمانے والا ہے پس جس نے پانی پی لیا وہ مجھ سے نہیں ہوگا اور جس نے اس دریا سے صرف ایک آدھ چلو پیا وہ میرے طریقہ پر ہوگا۔ تو چند افراد کے علاوہ سب نے خوب پانی پیا، پھر جب طالوت اور اس کے ایماندار ساتھی اس دریا سے گزر گئے تو (پینے والوں نے کہا) کہ آج جالوت اور اس کی فوج سے لڑنے کی ہم میں طاقت نہیں اور جن لوگوں کو یقین تھا کہ وہ اللہ سے ملاقات کرنے والے ہیں انہوں نے کہا بہت دفعہ ایسا ہوا ہے کہ تھوڑی جماعتیں کثیر جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔(۲۴۹)

صدق اللہ العظیم

تفسیر

مفسرین نے لکھا ہے کہ طالوت کی قیادت میں اُسی (۸۰) ہزار بنی اسرائیل مقابلہ کے لئے نکلے اس دور میں جالوت کی بہت ہیبت تھی۔ طالوت نے فوج سے کہا اللہ تمہیں ایک دریا کی وجہ سے آزمائش میں ڈالے گا۔ جس نے اس دریا سے پانی سیر ہو کو پی لیا وہ تو میری راہ پر نہیں اور جس نے پانی نہیں پیا وہ میری راہ پر ہوگا۔ چنانچہ اس نازک مرحلہ پر پوری اسی ہزار فوج میں سے صرف چار ہزار نے ہی اس دریا کو عبور کیا باقی چھہتر (۷۶) ہزار لشکری دریا عبور نہ کر سکے جن لوگوں نے پیٹ بھر کر پیا تھا وہ شدید پیاس میں مبتلا ہو گئے اور جنہوں نے چلو بھر کر پیا تھا وہ پیاس کی مصیبت سے بچے رہے۔ اور جب طالوت اور اس کے ایماندار ساتھیوں نے دریا عبور کر لیا اور انہوں نے جالوت کو دیکھا تو کہا ہم اس لشکر سے لڑنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ ان چار ہزار افراد میں سے تین ہزار چھ سو اسی (۳۶۸۰) افراد واپس ہو گئے اور طالوت کے ساتھ تین سو تیرہ نفوس رہ گئے۔ حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں طالوت کا لشکر ایک لاکھ تین ہزار تین سو تیرہ افراد پر مشتمل تھا، تین سو تیرہ کے سوا سب نے دریا سے پانی پیا، یہ تعداد جنگ بدر کے مجاہدین کے مطابق تھی۔

حضرت شموئیل علیہ السلام نے طالوت کو ایک زرہ دی اور فرمایا جس شخص کے جسم پر یہ زرہ پوری آئے گی اللہ تعالی کے حکم سے جالوت کو قتل کرے گا۔ طالوت نے اعلان کروایا جو شخص جالوت کو قتل کر دے گا میں اس کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کر دوں گا اور اپنا آدھا ملک اور آدھا مال اس کو دے دوں گا چنانچہ جالوت کے قتل کرنے کا اعزاز حضرت داؤد علیہ السلام کے حصہ میں آیا۔ حضرت داؤد نے جب جالوت کو پتھر مارا تو اللہ تعالٰی نے فرشتوں سے فرمایا میرے بندے داؤد کی مدد کرو۔ حضرت داؤد نے جب اللہ اکبر کہا تو تمام جنوں فرشتوں نے اللہ اکبر کہا جب جالوت نے نعرہ سنا تو سمجھا تمام دنیا نے اس پر حملہ کر دیا ہے۔ شدید آندھی چلی جالوت کو پتھر لگا اور مر گیا جالوت کا لشکر بھاگ گیا۔ اس طرح طالوت کامیاب رہا۔

طالوت نے حسب وعدہ اپنی بیٹی کا نکاح داؤد سے کردیا اور آدھی سلطنت دے دی اس عظیم فتح کے بعد بنی اسرائیل حضرت داؤد علیہ السلام کو پسند کرنے لگے تو طالوت کو حسد ہوگیا کہ داؤد کا مقام بڑھ رہا ہے، اس نے داؤد کو قتل کرنے کی سازش کی تو داؤد علیہ السلام کی اہلیہ جو طالوت کی بیٹی تھی نے بروقت راز افشا کردیا طالوت اور اس کے گھر والے مارے گئے۔اب تمام بنی اسرائیل پر حضرت داؤد کی حکمرانی ہوگئی اللہ تعالی نے حضرت داؤد کو زبور عطا فرمائی، زرہ بنانے کا طریقہ سکھایا تمام پہاڑوں جانوروں کو ان کے حکم کے تابع بنادیا۔آپ کو یہ فضل دیا گیا جب آپ تسبیح پڑھتے تو تمام پہاڑ، پرندے ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے۔

وَصلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلىٰ حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

صدق اللہ العظیم

اور جب وہ جالوت اور اس کے لشکروں کے سامنے آگئے (تو دعا کی) اے اللہ سب پر صبر انڈیل دے اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کفار کے خلاف ہماری مدد فرما۔(۲۵۰)(تو دعا قبول ہوئی) اللہ کے حکم سے انہوں نے کافروں کو شکست دے دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کردیا اللہ نے انہیں حکومت اور حکمت عطا فرمائی اور جو کچھ چاہا انہیں سکھایا اور اگر اللہ بعض لوگوں سے شر کو (اپنے صالح) بندوں کے سبب دور نہ فرماتا تو زمین برباد ہوجاتی لیکن اللہ تمام جہانوں پر فضل فرمانے والا ہے(۲۵۱) یہ اللہ کے نشانات ہیں جنہیں ہم تم پڑھ رہے ہیں اور بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں۔(۲۵۲)

تفسیر

اس سے پہلی آیہ مبارکہ میں بنی اسرائیل سے جہاد کا ذکر تھا اب میدان عمل میں آ کر کفار سے لڑنے اور انہیں شکست دے دینے کا ذکر ہے۔ جب ایماندار حوصلے، ہمت اور خدا پر بھروسہ کے اسلحہ سے مسلح ہو کر میدان میں اترتا ہے تو اللہ اس کی مدد فرماتا ہے وہ تعداد میں تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں اور دشمن ان سے تعداد میں کئی گنا زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔ اس صورت حال کو قرآن مقدس نے ارشاد فرمایا ہے ''بہت سی تھوڑی جماعتیں اللہ کے حکم سے کثیر تعداد فوجوں پر غالب آجاتی ہے''

جالوت اور حضرت داؤد علیہ السلام کی جنگ میں بھی اسی عمل کا مظاہرہ ہوا ہے۔ جب دونوں گروپوں کا مقابلہ ہوا تھا تو داؤد علیہ السلام کی فوج نے جالوت کی فوج کو ہلاک کر دیا، جالوت کو قتل کر دیا حالانکہ داؤد علیہ السلام بہت تھوڑی عمر کے کمانڈر تھے، داؤد علیہ السلام کی فوج کا جالوت پر قبضہ کرنے اور ہلاک کرنے کا جو فلسفہ اس آیہ مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے وہ ان کا اپنے رب سے تعلق ہے، وابستگی ہے اور کئی دعائیں ہیں، صبر عطا کرنے کی دعا ہے، ثابت قدمی کی دعا ہے، کفار پر غالب آنے کی دعا، اخلاص سے مانگی گئیں یہ دعائیں رنگ لے آئیں، بارگاہ قدس میں قبول ہو گئیں تو مختصر جماعت نے بڑی جماعت کو شکست دے دی۔ جالوت جیسا تجربہ کار بادشاہ ایک نوعمر کمسن کمانڈر سے مارکھا گیا۔

یہ آیہ پاک اسلامی فوجوں کو درس دیتی ہے کہ وہ کثرت وقلت کا خیال ذہن سے نکال کر اللہ کی راہ میں لڑیں، جنگ کے دوران اپنی ساری توجہات کو خدائے قدوس کی طرف مبذول رکھیں، دعاؤں سے کام لیں لشکرِ داؤد علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے جالوتیوں کو شکست دی، جالوت قتل ہو گیا۔ اللہ نے داؤد علیہ السلام کو سلطنت دیدی۔ دانائی بخش دی، اور جو چاہا سکھایا۔

اس آیہ مبارکہ سے ایک یہ بھی واضح اشارہ ملتا ہے۔ کہ ملک وحکومت، مال و دولت کا وجود نبوت کے خلاف نہیں۔ بنی اسرائیل سے بہت سے انبیاء بادشاہ بھی ہوئے۔ بعض لوگوں کے اس نظریہ کی بھی تردید

ہے کہ مال اور ولی کا کیا تعلق ہے؟ اولیاء اللہ کو تو بس فقیر ہی ہونا چاہئے۔ (آیہ نمبر ۲۵۰) میں فرمایا گیا ہے اگر اللہ تعالیٰ اچھے لوگوں کے ذریعہ بُرے لوگوں کا دفعیہ نہ فرماتا تو زمین شدید فساد کا شکار ہو جاتی، مگر اللہ جہان والوں پر فضل فرمانے والا ہے۔ آخری حصہ میں حضور ﷺ سے فرمایا جارہا ہے، اے محبوب! ہم اپنی آیات تجھ پر تلاوت کررہے ہیں اور بے شک تو رسول ہے۔ اس آیہ مقدسہ میں یہ بھی واضح بتایا ہے کہ جہاد امن کی راہ ہے اور مومنین کے لئے جہاد کرنا ان پر اللہ کا فضل ہے۔

وَصلَّى اللّٰـهُ تَعَالىٰ عَلىٰ حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ